



# تاریخ عالم میں اسلام سے قبل عورت کا مقام

مقالہ  
برائے ایم، فل

زیرنگرانہ

پروفیسر رؤف اقبال

صدر شعبہ دینیات

سنتی

پیش کردہ

شبیم انجم

ریسرچ اسکالر

شعبہ دینیات سنتی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سالہ مطابق ۱۹۹۰ء



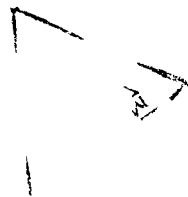
DS 2096



CHECKED-2002



DS2096



CHAIRMAN




DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY  
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY  
ALIGARH

Dated 30-1-90.....

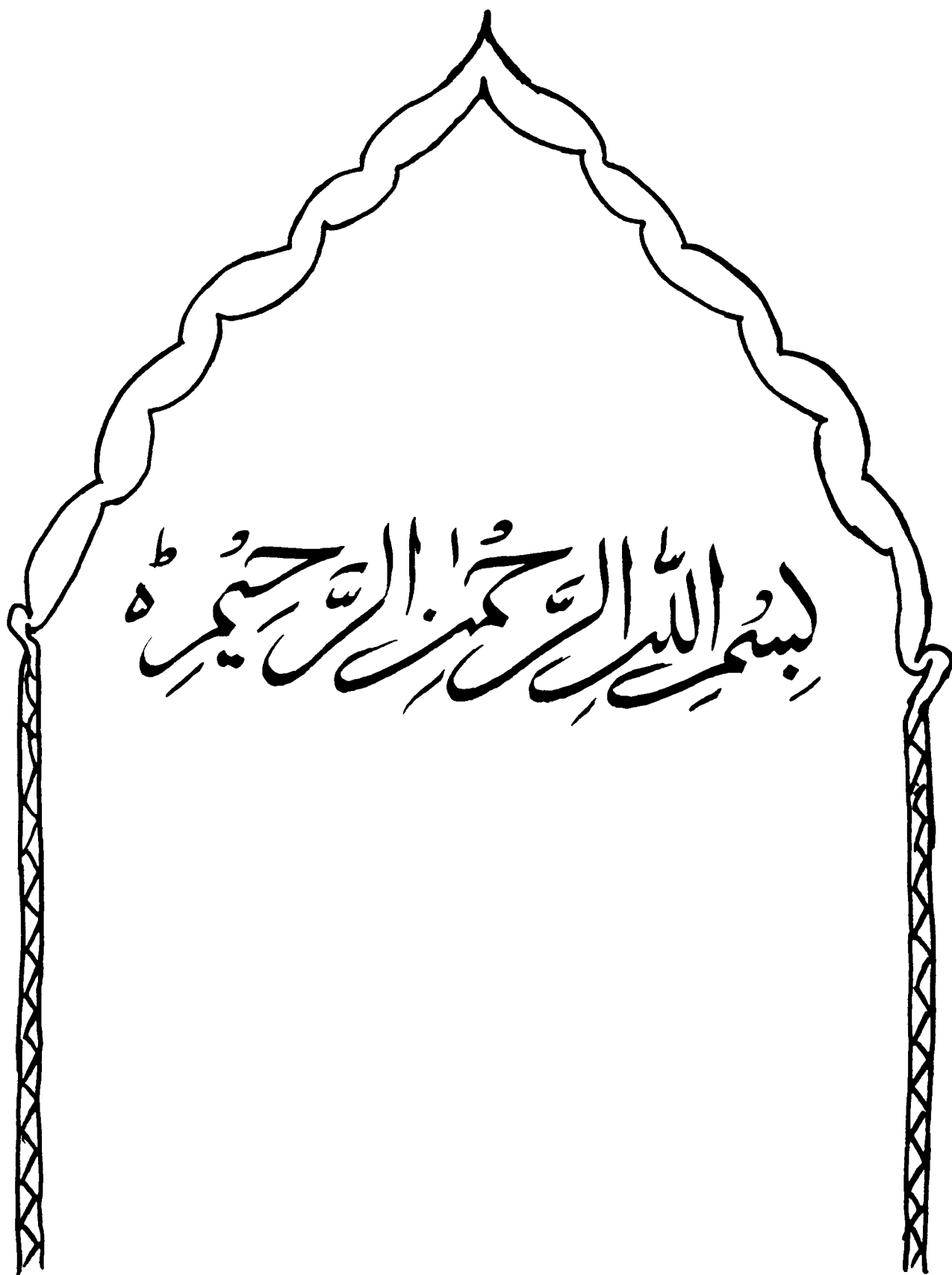
**TO WHOM IT MAY CONCERN**

This is to certify that Miss Shabnam Anjum,  
Research scholar in the Department of Sunni Theology  
has completed her M.Phil thesis on the topic of  
"تاریخ عالم سنہ ۱۰۰۰ سے قبل عورت کا مقام"  
the thesis is an original contribution to the  
subject.

  
Prof. (Mrs.) Raufa Iqbal  
Chairman

CHAIRMAN  
Department of Sunni T  
ALIGARH

Yad in Computer



# فہرست

۲	۱۔ پیش لفظ
۹	۲۔ مقدمہ
۱۹	۳۔ اسلام سے قبل عرب میں عورت کی حالت (پہلا باب)
۳۹	۴۔ قدیم یونان میں عورت (دوسرا باب)
۵۸	۵۔ قدیم رومن ایمپائر میں عورت (تیسرا باب)
۷۴	۶۔ ہندو دھرم کا تعارف (چوتھا باب)
۷۹	۷۔ قدیم ہندو مذہب میں عورت کی حیثیت (ب)
۹۸	۸۔ بدھ دھرم کا تعارف (پانچواں باب)
۱۰۰	۹۔ بدھ مذہب میں عورت کا مقام (ب)
۱۰۴	۱۰۔ جین دھرم کا تعارف (چھٹا باب)
۱۰۶	۱۱۔ جین مذہب اور عورت (ب)
۱۰۸	۱۲۔ زرتشت مذہب کا تعارف (ساتواں باب)
۱۱۲	۱۳۔ زرتشت مذہب اور عورت (ب)
۱۱۶	۱۴۔ یہودی مذہب کا تعارف (آٹھواں باب)
۱۲۲	۱۵۔ یہودی مذہب میں عورت (ب)
۱۳۴	۱۶۔ عیسائی مذہب کا تعارف (نواں باب)
۱۴۱	۱۷۔ عیسائیت میں عورت (ب)
۱۷۱	۱۸۔ کتابیات

## پیش لفظ

زیرِ تحریر مقالے کا عنوان ”تاریخِ عالم میں اسلام سے قبل عورت

کا مقام“ ہے۔ اس مقالے میں تاریخِ عالم میں جتنے بڑے بڑے مذاہب اسلام سے

قبل دنیا میں موجود تھے ان پر تحقیقی نظر ڈالی گئی اس حیثیت کے انھوں نے اپنی

عورتوں کو کیا حیثیت اور مقام دیئے تھے، لیکن اس تاریخ کے مطالعہ سے

سخت افسوس ہوتا ہے کہ ان تمام مذاہب میں عورتوں کے حقوق کی کوئی گنجائش

نہ تھی، جانور سمجھ کر رکھنے اور ضرورت پوری کرتے تھے، وہ لوگ عورت کو

انسان ماننے کیلئے بڑی مشکل سے تیار تھے، مذاہب کا مطالعہ زیادہ مشکل نہیں

لیکن اس میں عورتوں کے حقوق اور حالات تلاش کرنا بہت مشکل ہے اس لیے

مگر پوری تاریخ میں بمشکل چند سطریں ملتی ہیں۔ عہدِ وحشت و بربریت سے

نے کر عہد تہذیب و عمرایت میں بھی عورت کے ساتھ ہر طرح و حیثیت سلوک  
 تھا اور دنیا کی کوئی ذات ایسی نہ تھی جو اس مظلوم طبقہ کو برداشت نہ کرنی  
 پڑی ہو۔

اسلام کے علاوہ ہر مذہب و قوم میں مشکل سے کوئی ایسا مسئلہ  
 ملے گا جس میں اس قدر کثرت کے ساتھ لوگوں نے اتفاق رائے سے کام لیا ہو  
 جتنا کہ عورت کے مسئلے میں وہ متحد الخیال رہے اور سبھی نے عورت کو مختار  
 کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

— میں اپنے اس مقالے میں سب سے پہلے عرب میں طلوع اسلام  
 سے پہلے عورت کے متعلق تاریخ کے مطالعہ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں  
 عورتوں کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد دنیا کے تمام قدیم  
 مذاہب کا جائزہ اسی حیثیت سے لیا ہے کہ ان کا طرز عمل عورتوں کے ساتھ

کیا رہا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تمام قدیم مذاہب بعض حیثیتوں سے اچھے  
 خاصے ترقی یافتہ رہے ہیں لیکن عورتوں کے حقوق کے بارے میں سب نگ نظر  
 متعصب اور جبر و ظلم پر آمادہ نظر آتے ہیں، تعجب ہوتا ہے کہ انسان ہونے  
 کے ناطے اور عورت سے قریب تر تعلق رکھنے ہوئے بھی اس پر رحم نہیں کھایا  
 اور اسے ہر دور میں ہر قدم ہر آن فائدہ اٹھایا، جو اب اس کے ساتھ  
 ”تذلیل و تحقیر اور بدسلوکی کی۔“

اس مقالے کی تیاری میں میں انھیں تلخ حقائق کا مطالعہ  
 کرتی رہی، یہ کبھی نہیں سمجھ سکی کہ مختلف تہذیبوں، مذہبوں، اخلاقی  
 نظاموں اور تمدنی ترقی کے علمبرداروں نے اپنی ہی ماؤں، بہنوں اور  
 بیٹیوں پر رحم کیوں نہیں کھایا جب کہ کسی نہ کسی روپ میں اس کی خدمت سے  
 فائدہ اٹھانے پر آج بھی مجبور ہیں اور ہر دور میں رہے اور ستم بالاستم



یہ کہ اس طرف سے یہ ذلت و حقارت اور عورت ہر روپ میں اسی ظلم و تشدد  
سننے کے باوجود مرد پر اپنی محبت کے خزانے ٹٹاتی رہی، کبھی ماں بن کر، کبھی  
بیوی کی وفا شناسی کے روپ میں، کبھی بہن بن کر اور کبھی بیٹی کے روپ میں۔ لیکن  
مرد نے باپ بن کر بھی اپنی لختِ جگر کو زندہ دفن کر دیا، کبھی شوہر کی چٹا پر  
زندہ جلایا گیا۔ غرض یہ مقالہ نصف انسانیت کی اس الم ناک کہانی پر مشتمل ہے۔  
اس موضوع کا انتخاب کرنے کے بعد احساس ہوا کہ مذاہب کی کتابوں کی بھی  
کمی نہیں ہے اور تاریخ کا ایک وسیع لٹریچر موجود ہے، لیکن عورتوں کے حالات  
اور تذکرے ان کے حقوق و فرائض سے یا تو وہ کتابیں یکسر خالی ہیں یا بہت  
ہی مختصر حالات ملتے ہیں۔ لہذا جتنے بھی حالات مل سکے ان کو اس مقالے  
میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ موضوع اپنی اہمیت میں سقم ہے، میں نے حتی الامکان کوشش

کی ہے کہ موضوع کے متعدد شعبوں اور مختلف مباحث پر گفتگو کروں تاکہ موضوع کے خم و پیچ اور اس کی حقیقت سے واقفیت حاصل ہو۔

اس مقالے کو تحریر کرتے وقت مجھے جن حضرات کا تعاون حاصل ہوا

ہے ان کی تہ دل سے ممنون و مشکور ہوں۔ اپنی مخلص نگراں استاذ محترمہ پروفیسر

رؤفہ اقبال صاحبہ کی قلب سے سپاس گزار ہوں جن کی سرپرستی میں یہ مقالہ پائے

تکمیل کو پہنچا اور جلد مراحل میں میری بھرپور اور موقع بہ موقع رہنمائی کی اور

گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی ہمدردیاں ہمیشہ میرے

شامل حال رہیں، ان کا خلوص میرے قلم کی روشنائی بنا ہے اور اس کا عظیم

نقوش راہ کا کام کیا ہے۔

اس مقالے کی تیاری میں جن کتب خانوں سے مواد حاصل کیا ہے

ان کے منتظمین کا شکریہ ادا کرنا میرا اخلاقی فریضہ ہے، خصوصاً دینیات فیصلہ کی

لائبریری کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ کتابوں کی فراہمی  
میں ان کے ماتحتوں پر شکن نہ آئی۔

مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے منتظمین  
واسلامک اسٹیڈی لائبریری کے منتظمین ان تمام حضرات کا شکریہ  
ادا کرتی ہوں۔

حق تو یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی توفیق سے میرا شامل حال نہ ہوتی تو اس وقت  
طلب مراحل و مشکلات کی عقدہ کشائی میرے بس کی بات نہیں تھی۔

شبیم انجم

ریسرچ اسکالر، شعبہ دینیات  
(رستنی)

اے، ایم، علی گڑھ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

## مقدمہ

اس دل فریب، دل چسپ، پرشور اور ہنگامہ زار دنیا کے  
 ایٹیم پر جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ ان  
 سب کے اداکار کون ہیں، اس کا صرف ایک ہی جواب ہے۔ ان سب میں مرنے  
 مورت و مرد کا ہاتھ کار فرما ہے اور کار فرما رہے گا، یہی اس دنیا کی  
 عمرانی زندگی کے سنگ بنیاد ہیں۔ ان ہی سے اس دنیا کی رونق، چہل پہل  
 ہے اور یہی دونوں اس نوعِ انسانی کی بقا کا سبب بنیں۔ ان  
 دونوں کا صحیح اختلاط و سیل سلاپ اور ان کے معاشرتی، عمرانی اور خانگی  
 زندگی کا صحیح توازن بڑی حد تک دنیا کے توازن کا سبب ہے۔  
 ان دونوں کی بربادی نوعِ انسانی کی بربادی ہے۔

اس طرح ان دونوں کا معاشرتی، عمرانی اور نسلی توازن بنی نوع انسان  
 کی ترقی فلاح و بہبودی کا ضامن ہوتا ہے، کیوں کہ جب تک زندگی  
 کے میدان میں ایک دوسرے کا تعاون حاصل نہ ہو ترقی ممکن نہیں ہے۔ یہ  
 جستجو کرنے پر کہ ان دونوں کے درمیان صحیح توازن اور نقطہ اعتدال  
 کیا ہے؟ مختلف قوموں اور ملتوں کے دستور نے عورت و مرد کو کس طرح  
 جوڑا ہے؟ اور اس صنف کو جس کو جنس لطیف بھی کہا جاتا ہے کیا  
 مقام دیا ہے تو ذہن الجھ کر رہ جاتا ہے اس لیے کہ ان کے بارے میں  
 تاریخ کے اوراق نہایت ہی المناک داستانوں سے پُر ہیں، جنس  
 لطیف پر ایسا دور بھی گزرا ہے کہ اُسے لونڈیوں کا درجہ دیا گیا۔ یہ  
 خریدی اور بیچی بھی گئی، یہ ملکیت اور وراثت کے حقوق سے محروم  
 بھی کی گئی اور یہ گناہ کا مجسمہ بھی سمجھی گئی، وہ زندہ دفن کی گئی اور شہر

کی چٹا پر زندہ جلاوی گئی اور ان کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ جو ان کے بطن سے پیدا ہوتا ہے وہ گناہ کی نجاست سے ملوث ہوتا ہے۔ اُسے زہر اور زہریلے سانپ سے تشبیہ دی گئی وہ اس قابل نہ سمجھی گئی کہ آزادانہ اپنے فطری حق کا استعمال کر سکے۔

قدیم و جدید سیکڑوں مذاہب، نظریات اور معاشرتی اصول و قوانین سب کا جائزہ لے کر دیکھا لیکن ایک حقیقت ہے جو سامنے آتی ہے کہ کسی نے عورت کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ افراط و تفریط کی سبھول بھلیوں میں انسانی سوسائٹی گم کردہ راہ نظر آتی ہے، صرف ایک اسلام ہے جس کے سائے عاطفت میں عورت کو پناہ ملی، جس نے عورت کے وجود کو قابلِ احترام بنایا، اس نے لڑکی کی پیدائش کو جو کہ منحوس اور شرمناک سمجھی جاتی تھی اسلام نے اس کی پیدائش کو رحمت اور اس کی پرورش۔

پر جنت کی بشارت سنائی، اسلام نے بب یہ اعلان کیا کہ جس طرح سے مردوں  
 کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں تو مکہ کے  
 مشرکین ہی نہیں بلکہ نو مسلم بھی حیران رہ گئے۔ اسلام نے ماں کے قدموں کے  
 نیچے جنت بتائی، بیٹی اور بہنوں کی پرورش اور ان کے ساتھ مساوی بڑاؤ  
 کو جہنم سے نجات کا ذریعہ بتلایا، بیوی کو حقوق دلائے، باپ، شوہر اور  
 بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کے مال میں ترکہ وراثت اور نان نفقہ کے  
 حقوق دلائے، مناشی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی حیثیت سے مردوں  
 کے برابر کا درجہ دلویا۔ ان ادیان و مذاہب کے بازار میں اسلام ہی کو  
 یہ تفوق اور برتری حاصل ہے کہ اس نے پوری انسانیت مرد، بچے، بوڑھے  
 جوان غرض سب کو درجہ بدرجہ مساوی حقوق دیئے۔ اس نے تمام قسم  
 کی شرائیکریوں اور بدکاریوں پر روک لگائی، ظلم و عدوان۔



بناوت و سرکشی کا خاتمہ کیا، چنانچہ اس نے اصلاح اور تبدیلی کے باب میں  
 تمام شعبہ ہائے زندگی کو مرکز توجہ بنایا اور اس میں انقلاب کی روح پھونک  
 دی، اسلام کی صبحِ درخشاں کے بعد ہر نوعِ بشر اپنے صحیح مقام سے  
 آشنا ہوا، عورت جو اپنی سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق سے ایک زمانہ  
 سے محروم تھی آ رہی تھی بلکہ ہر ممکن و ناممکن مظالم اور شرائد کا شکار  
 بنی ہوئی تھی قرآن پاک نے اپنی آیات کے ذریعے ان شکوک و شبہات کا  
 خاتمہ کر دیا اور سنگدلوں اور خود غرضوں کی قیاس آرائیوں کا قلعہ زمین  
 بوس ہو گیا اور پھر یہی عورت اپنے تمام تر حقوق سے مستفید ہوتے ہوئے  
 انسانی معاشرہ کی تشکیل نو کی محرک خاص بن گئی۔

بیسویں صدی کے جدید دور میں بھی مائذین حق مستعد اور

متفق ہو کر اپنی سازشی تدبیروں اور اوچھے ہتھیاروں کے ذریعے اسلامی

تعلیمات کو داغ دار کرنے کی کوشش کرتے ہیں بالخصوص مستشرقین (جن کی جستجو و تحقیق کی سارے عالم میں دھوم مچی ہے) نے اسلام کی درخشاں تعلیمات کو مجروح کرنے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی فلک بوس عمارت کو مسمار کرنے میں بڑی جرات کا ثبوت دیا ہے، ان کی ہر دوڑ بھاگ اور کوشش و کاوش اسلام دشمنی اور استشرافی تعصب کی آئینہ دار ہے۔ انھوں نے شریعت اسلام کے جہاں دیگر فرائض و امور پر اپنے قلم کا زور صرف کر کے اپنے مدعا و مقصد کو منوانے کی کوشش کی ہے تو وہاں ایک اہم موضوع عورت بھی ہے۔ مساوات کے نام پر معاشی استقلال کی بنا پر اور دونوں صنفوں کے آزادانہ اخلاط کی منطق پر اسلام کو غیر عادل اور فطرت سے کوسوں دور بتاتے ہوئے عورت پر رحم کھانے کی کوشش کی ہے۔ دراصل اسلام اور عورت سے متعلق دشمنان اسلام کا یہ جانبدارانہ تاثر اور گھٹاؤ نا کرداری وہ خاص محرک ہے جس نے مجھے

آمادہ کیا کہ عورت اور اسلام کے ضمن میں اپنے قلم کو جنبش دوں۔ یہ بات ادھوری  
 رہ جاتی ہے جب تک ”ہم“ تاریخِ عالم میں اسلام سے پہلے عورت کے مقام کو  
 تحقیقی حیثیت سے پیش نہ کریں۔ میں نے اپنے ایم فل کے مقالہ کا عنوان اسی  
 غرض سے یہ تجویز کیا ہے کہ اسلام میں عورت کے مقام، حقوق وغیرہ پر بے شمار  
 کتابیں ملتی ہیں لیکن دیگر مذاہب کی تاریخ میں کتابیں قوموں اور ملکوں کی تاریخ سے توجہ کرتی  
 ہیں لیکن عورت اس قدر ناقابلِ توجہ سمجھی جاتی تھی کہ اس کا ذکر بمشکل ہی  
 آتا ہے اور وہ بھی مختصر، اس سلسلہ میں تمام مشہور مذاہب اور قدیم تہذیبوں  
 سے جس قدر بھی عورتوں کے حالات مجھے حاصل ہو سکے ہیں ان کو اس لیے  
 ہدیہِ ناظرین کر رہی ہوں کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ اسلام نے عورت کو  
 حقوق دیے ہیں ان کے برابر تو کیا اس سے سیکڑوں درجہ کم بھی حقوق  
 کسی مذہب، تہذیب اور نظریہ نے عورت کی جھولی میں نہ ڈالے۔ اس مقالے

میں اسلام سے قبل عورت کی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور عہد جاہلیت کی عورت کس کس انداز سے جاہلی رسومات کا نشانہ بنی ہوئی تھی، پھر تہذیب و تمدن کے دعویدار یونان اور روم میں عورت کے سلسلے میں تصورات کیا تھے، انسانی مساکرے میں اس کا مقام کیا تھا، ظلم و بربریت اور وحشت و درندگی کی کن کن حیثیتوں میں اس مظلوم کو گدزنا پڑا اور اپنے حقیر و ذلیل مقام کو حاصل کرنے کے لیے عورت کو کن کن مصائب سے روشناس کرایا گیا۔ اس مقالے میں ہم نے اسلام سے قبل مذاہب و نظریات اور افکار و خیالات کو پیش کر کے عورت کی سماجی، مذہبی اور تمدنی حیثیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی سیاق و سباق میں اسلام میں عورت کی کیا حیثیت ہے اور غیروں نے اپنی نکتہ سنجیوں اور سخن سازیوں کے ذریعے کس طرح اس کے وجود کو مخدوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ امر واقع بھی مذکورہ بالا اقوام قدیم اور تہذیب و تمدن

کی تریا پر کندیں ڈالنے والوں کے حالات کے جھڑکوں سے دیکھا جاسکتا ہے ۔

یہ مقالہ <sup>۹</sup>نواب پشتمل ہے ، عہد جاہلیت پر ایک جامع تبصرہ

ہے ۔ مذہبی ، سیاسی اور معاشرتی حالات کی نشان دہی کے بعد جاہلی

سمانج میں مقام نسوانیت کو بے نقاب کیا گیا ہے ۔ چوں کہ اسلام سے قبل کے

زمانے میں جاہلی فکر ہی ہر جگہ حاوی تھی ، عورت کو زمانہ جاہلیت میں منحوس تصور

کیا جاتا تھا ، اس کی پیدائش باعثِ تحقیر اور وجہ تزییل تھی ، جس کے پہا

بچی پیدا ہوتی مذمت و شرمندگی کی بنا پر سراٹھا کر چلنے سے بھی مجبور تھا ۔

اسی ذلت و سوائی کے خوف سے وہ بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور دوسرے مذاہب

وادیان کی آراء و افکار کو پیش کیا ہے کہ وہ عورت جو انسانی معاشرے کی آدمی آبادی ہے

اس کے ساتھ تمام معاملاتِ زندگی میں سلوک و برتاؤ کے خدو خال سے بحث

کی گئی ہے ۔

شن ٹو مذہب کنفیوشن مذہب "تاؤ مذہب"۔ اگرچہ "تائخ

کی کتابوں میں ان مذاہب کے نام اور حالات تو ملتے ہیں، لیکن ان مذاہب کے

معاشرتی قوانین ان کے یہاں عورت کے ساتھ برتاؤ سے متعلق مجھے کچھ نہیں

مل سکا۔ پھر ان مذاہب پر ہندو دھرم کا تسلط ہو جانے کی وجہ سے یہ نفی کے برابر

ہو گئے، چوں کہ میرا موضوع عورتوں کے حالات سے متعلق ہے اس لیے میں نے

ان مذاہب سے بحث نہیں کی ہے۔

## پہلا باب

# اسلام سے قبل عرب میں عورت کی حالت

دور جاہلیت میں عرب اپنی بعض فطری صلاحیتوں اور

بعض عادات و اخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے۔ فصاحت

و بلاغت اور قادر کلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ آزادی و

خودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی۔ شہ سواری و شہادت

میں وہ بے بدل تھے۔ عقیدے کے پر جوش، صاف گو اور جری،

حافظے کے قوی۔ مساوات، بے تکلفی اور جفاکشی کے عادی،

ارادے کے پکے، زبان کے سچے و فاداری اور امانت داری میں

ضرب المثل تھے۔ لیکن باوجود ان تمام خوبیوں کے

---

۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، از سید ابوالحسن ندوی، ص ۷۱-۷۲

وہ جاہلانہ نظام کی بدترین خصوصیتوں اور برائیوں میں مبتلا تھے  
سود و سود کا معاملہ کرتے اور اس میں بے رحمی اور سنگدلی  
سے پیش آتے۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود عرب  
میں عورت مظلومیت اور بے چارگی سے زندگی بسر کر رہی  
تھی۔ اہل عرب عورت کے وجود کو موجب ذلت و عار سمجھتے  
تھے، لڑکی کی پیدائش ان کے لیے غم و اندوہ کا پیام تھی۔  
اسی لیے ان کے یہاں لڑکیاں زندہ دفن کی جاتی تھیں اور  
ان کی کفالت کو ایک بوجھ سمجھا جاتا تھا۔ وہ وارثوں میں  
مال کی طرح تقسیم ہوتی تھیں۔ خریدی اور بیچی جاسکتی تھیں  
اور رہن رکھی جاتی تھیں، حتیٰ کہ عورتیں، لڑکیاں عرب  
میں نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اور داماوی



کے عیب سے بچنے کے لیے ان کا نہ ہونا ہی اچھا سمجھا جاتا  
تھا۔ قرآن کریم نے اس ماحشرے کی کتنی سچی تصویر کھینچی ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ

مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۖ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ

مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ

يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ

”جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی

جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کھونس چھا جاتی اور وہ بس خون کا

ساگھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا سمجھتا ہے کہ اس

بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے

ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ہم عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ان سے کوئی مشورہ لیتے تھے۔  
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں جب عورت ولادت کے قریب ہوتی تو ایک گڑھے پر بیٹھ جاتی اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اس میں دفن کر دیتی تھے

عورت سے نفرت اور بیزاری اس قدر تھی کہ جس کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تھی اس گھر ہی کو منحوس سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا تھا یعنی عورت کے لیے رحم و محبت کے جذبات ان کے یہاں

---

۱۔ مسلم پرسن لا اور اسلام کا عائلی نظام، از شمس تبریز ص ۲۰۳

۲۔ تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۴۳۵

نہیں ملتے تھے۔ اسی لیے وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ اگر  
 ان کو زندہ بھی رکھا جاتا تو ان سے ان کے تمام حقوق سلب  
 کر لیتے تھے۔ شادی کی کوئی حد نہیں تھی جتنی عورتوں کو چاہتے  
 اپنے نکاح میں رکھتے۔ وہب اسدی نے جس وقت اسلام  
 قبول کیا تو ان کے عقد میں دس بیویاں تھیں۔ غیلان ثقفی  
 جب مسلمان ہوئے تو ان کے یہاں بھی دس بیویاں تھیں۔ اسی  
 طرح طلاق میں بھی کوئی پابندی نہیں تھی، مرد جب چاہتا اور  
 جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دے دیتا اور عدت ختم ہونے سے  
 پہلے رجوع کر لیتا اس طرح وہ زندگی بھر عورت کو عاجز رکھ  
 سکتا تھا۔

جب تک شوہر رہتا وہ اس کے ماتحت رہتی، خاوند کے

انتقال کے بعد اس کے ورثہ کا اس پر مکمل حق ہوتا وہ چاہتے  
 تو اس سے خود ہی شادی کر لیتے تھے اور دوسرے کے حوالے  
 بھی کر سکتے تھے یا شادی کرنے کرانے سے بھی آزاد ہو کر اپنے  
 ہی لیے اس کو رکھ سکتے تھے۔ اکثر بیوہ کے مال پر قبضہ کرنے  
 کے لیے اسے ازدواجی زندگی سے محروم کر دیتے۔ بعض اوقات  
 کسی کسن رٹ کے بڑے ہونے تک اس کا نکاح روکے رکھتے  
 تاکہ وہ اس سے شادی کر سکے، یعنی باپ کے مرنے کے بعد باپ  
 کی عورتیں بیٹے کی ملکیت میں آجاتی تھیں اور وہ ان کو جس طرح  
 چاہتا رکھتا اور سوتیلی ماں تک سے شادی کرنا ان کے نزدیک  
 معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ابو بکر حباص لکھتے ہیں کہ سوتیلی ماں

سے نکاح جاہلیت میں عام تھا۔

وراثت میں عورت کا کوئی حق نہ تھا کیوں کہ عورت

نہ تو جنگ و جدال میں حصہ لے سکتی تھی اور نہ ہی وہ مشقت و

پریشانیوں کو برداشت کر سکتی تھی اور نہ ہی اپنے قبیلے کی شان

کو بڑھا سکتی تھی سوائے گھٹانے کے اور اٹے مردوں کو ان کی

حفاظت کرنی پڑتی کیوں کہ دشمنوں کی نظر میں وہ مالِ غنیمت

کی طرح کھٹکتی تھی جن کو حاصل کر کے اپنی خدمت گار بناتے

اور اپنی دوسری ضروریات پوری کرتے اسی لیے وہ اپنے قبیلے

والوں پر بذاتِ خود ایک بوجھ ہوتی تھی جنہیں ہمیشہ اس کی

حفاظت کی فکر دامن گیر رہتی کہ کہیں وہ قید ہو کر دشمن کے

ہاتھوں ذیل نہ ہوں اور قبیلے کی ناموس خطرہ میں نہ پڑ جائے

اسی لیے وہ لڑکی کی پیدائش پر اظہارِ غم کرتے اور جلد سے جلد  
 اس کو قفا کرنے کی کوشش کرتے تاکہ ان کو ہمیشہ کی ذلت و  
 پریشانی سے نجات مل جائے اس لیے وہ زرمینہ اولاد پر اترتے  
 اور فخر کرتے۔ عربی تصور عورتوں کے لیے ایسا تھا۔

ان النساء شیا طین خلقن لنا

نحوذ باللہ من شر الشیا طین لہ

ترجمہ :- عورتیں ہمارے لیے شیطان ہیں جن کو اس لیے پیدا کیا گیا  
 ہے کہ وہ ہم مردوں کو بگاڑیں ہم ان کے شر سے اللہ کی پناہ  
 مانگتے ہیں۔

اس طرح دو سکر صاحب نے اپنا نظریہ پیش کیا:

ان النساء ریاحین خلقن لنا - وکلنا یشتنہی شہر الریاحین

عورتیں خوشبودار پھول ہیں جو اس لیے ہیں کہ ہم ان کو سونگھ کر  
فرحت حاصل کریں اور خوشبو سونگھنے کی رغبت ہم میں سے  
ہر شخص کو ہے۔ مینی ان کا نظریہ سچا تھا کہ ہم ان کو استعمال کریں  
بس اور کوئی حق ہم پر ان کا نہیں ہے۔ عورتوں کی موت کو  
جاہلی عرب میں بہت اچھا سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ عورت کا قتل  
کبھی جائز تھا اور عورتوں کی موت پر اظہارِ خوشی کیا جاتا اور  
تغزیت میں اس کا اظہار کرتے کہ ناقابلِ اظہار چیزوں کا چھپ  
جانا بہتر ہے اور عورت کا دفن کرنا ہی سب سے بڑی فضیلت  
ہے۔ اگر کسی کی بیوی مرگئی تو اس کی نعمتیں مکمل ہو گئیں۔ اگر  
کسی نے اپنی بیٹی کو دفن کیا تو گو یا داماد سے پورا انتقام لے لیا۔  
ایک شاعر کا قول ہے کہ :

بقوی حیاتی و اہری موتھا شفقا

والموت اکرم نزال علی المحرم لہ

ترجمہ :- وہ میری زندگی چاہتی ہے اور میں از روئے شفقت اس کی موت چاہتا ہوں، کیوں کہ عورت کے حق میں موت ہی عزیز ترین مہان ہے۔

عورتیں خاوند کے مرنے کے بعد ان کے وارثوں کے لیے ملوک سی ہو جاتی تھیں اور ان لوگوں کو ان بے چاریوں پر نظام کے عجیب عجیب طریقے حاصل تھے۔ کبھی وہ اس کو اپنی منکوحہ بنا لیتے ان میں سوتیلی مائیں اکثر ہوتیں لیکن ان عورتوں کو اس کی اجازت نہ تھی کہ وہ کسی دوسرے نکاح کریں اور اپنی مرضی کے مطابق



زندگی بسر کریں لیکن غربت کی وجہ سے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔  
 جاتا تھا کہ اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے کوئی صورت تجویز  
 کریں۔ عربوں میں زنا کو میوب نہیں سمجھا جاتا تھا اور اس کے  
 بہت سے اقسام و طریقے رائج تھے۔ زنان بازی اور پیشہ ور  
 عورتوں کے اڈے بھی موجود تھے اور شراب خانوں میں بھی  
 اس کا انتظام تھا۔ ماسشرے میں عصمت فروش عورتوں کو  
 آزادی تھی کہ وہ اپنے گھروں پر جھنڈے لگا کر متاثر کر سکتی  
 تھیں اور یہ بات ماسشرے میں بری نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی  
 سستی کیوں کہ عرب جاہلیت میں پردے کا مطلق رواج ہی نہ تھا  
 اور عورتیں آزادانہ مردوں کے سامنے آتی تھیں۔ ان کے  
 یہاں وہ آدمی کمینہ و رذیل سمجھا جاتا تھا جس کو کسی عورت

سے عشق نہ ہوا ہو۔ عرب کے بعض قبائل اپنی عشق بازی کی وجہ سے  
 مشہور تھے۔ بنی عذرہ کے عشق کی یہاں تک شہرت تھی کہ اس کی  
 مثال مشہور تھی یعنی فلاں شخص بنی عذرہ سے کبھی زیادہ عاشق  
 مزاج ہے۔ کیوں کہ عرب میں زمانہ جاہلیت میں شاعری کی  
 بڑی اہمیت تھی وہ عورتوں سے حسن و عشق کے واقعات کو نہایت  
 بے حیائی اور دریدہ دہنی سے ذکر کرتے اور اس پر فخر کرنے  
 تھے یہ بھی عورتوں کی "تذریل" کی ایک قسم تھی لوگ لڑکیوں کو  
 اسی لیے برا سمجھتے تھے کہ اگر کوئی دشمن اپنے اشعار میں کسی  
 قبیلے کی لڑکی سے عشق کو بیان کر دے گا تو پورا قبیلہ بدنام اور  
 شرمسار ہو گا جیسا کہ بعض جاہلی شعرا نے کیا ہے۔

لے "تاریخ اسلام حصہ اول، از مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ایامِ العرب کو عہدِ وحشت اور بربریت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی کو عین بہادری سمجھا جاتا تھا۔ کوئی ایسا وحشیانہ سلوک نہ تھا اور کوئی ایسی ذات نہ تھی جو اس مظلوم عورت کو برداشت نہ کرنی پڑتی تھی وہ ہر حال میں مرد کی ملکیت اور اس کی لونڈی تسلیم کی جاتی تھی اور اس کے تمام حقوق پامال کیے جاتے تھے۔ اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے تھے دوسرا سامان کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل کی جاتی تھی۔ مرد اپنے پورے حقوق حاصل کرتے لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی۔ کھانے میں بھی بہت سی چیزیں ایسی تھیں جو مردوں کے لیے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں۔

یہودیوں نے صدیوں کی موٹنگائیوں سے اصل  
 خدائی شریعت پر اپنے خود ساختہ احکام و قوانین کا ایک  
 سبھاری نول چڑھا رکھا تھا۔ ان کے یہاں عورت کے لیے  
 بے شمار پابندیاں اور باریکیاں اور سختیاں تھیں جو انھوں  
 نے شریعت میں بڑھالی تھیں اور بہت سی حلال چیزیں  
 ایسی تھیں جنہیں وہ حرام قرار دیتے تھے۔ اس طرح بہت سی  
 من گھڑت چیزیں انھوں نے قوانینِ خداوندی میں داخل  
 کر لی تھیں اور اب یہ رسم و رواج ان کے علماء و عوام میں  
 رچ بس گئی تھیں اور ان کے یہاں یہ عام دستور تھا کہ عورت  
 کو ایامِ ماہواری میں بالکل پید سمجھا جاتا تھا نہ اس کے ہاتھ  
 کا پکا ہوا کھانا کھاتے اور نہ اس کے ہاتھ کا پانی پیتے

اور نہ اس کے ساتھ ایک فرش پر بیٹھتے اور اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھو جانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ ان چند دنوں میں عورت خود اپنے گھر میں اچھوت بن کر رہ جاتی تھی اور یہی رواج یہودیوں کے اثر سے مدینہ کے عوام میں بھی شروع ہو گیا تھا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا جواب میں آپ نے سورہ بقرہ رکوع ۲۸ کے شروع کی آیت سنائی اور اس کی رو سے حکم دیا کہ ان کو اس طرح پلید نہ سمجھو۔

ایام العرب میں عورت کی مظلومیت اور بے چارگی و بے بسی کا حال اسلام لانے کے بعد خود ان کی زبانی بہت

سے واقعات ملتے ہیں۔ مثلاً سفر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے  
 اگر رط کی پرورش ہو جاتی اور وہ بڑی ہو جاتی لیکن سیانی  
 ہونے سے پہلے باپ اس کو زندہ ہی دفن کرنا اپنی فلاح  
 سمجھتے تھے۔

ایک شخص نے جاہلی زمانے کا واقعہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا کہ میرے ایک بچہ سکتی وہ مجھ سے بہت  
 مانوس تھی، جب کبھی میں اُسے بلاتا تو بڑی مسرت سے میرے پاس  
 آ جاتی چنانچہ ایک دن میں نے اُسے آواز دی تو وہ فوراً دوڑی  
 دوڑی آئی میں اُسے اپنے ساتھ لے گیا اور قریب کے ایک  
 کنویں میں جھونک دیا اور وہ اس وقت بھی ابا جان ابا جان کہتی  
 رہی۔ یہ سن کر آپ کو بہت افسوس ہوا اور آپ کی آنکھیں شکار

ہو گئیں۔ اس سے زیادہ ایام العرب میں عورت کی مظلومیت اور  
 کیا ہو سکتی تھی جب کہ باپ کا دستِ شفقت اس کے حق میں بھڑپے  
 کا پنجہ بنا ہوا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس انداز سے عورتوں  
 کے حقوق کی پاسداری کی ہے، وہ تاریخ مذاہب میں نمایاں ہے۔  
 آپ نے ارشاد فرمایا جس نے دو یا تین بچیوں یا تین بہنوں  
 کی اچھی طرح پرورش کر کے ان کی شادی کر دی تو وہ میرے  
 ساتھ جنت میں ان انگلیوں کی طرح ساتھ ہو گا، پھر آپ نے  
 انگلیوں کا اشارہ فرمایا۔

دوسری حدیث میں ہے جس پران بچیوں کی ذمہ داری  
 آئی اور ان سے عمدہ برآ ہوا تو اس پر دوزخ حرام ہے، پھر فرمایا

جس کے تین بیٹیاں یاد رہیں ہوں اور وہ ان سے اچھا معاملہ کرتا  
 ہے یعنی انھیں علم و ہنر سکھا کر شادی کرتا ہے تو اس کے لیے  
 جنت ہے ۔

ایک حدیث میں صاف صاف فرمایا کہ جس کے کوئی  
 بیٹی ہو اور وہ اسے دفن نہ کرے، نہ اس کی توہین کرے نہ بیٹے  
 کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُتَّقِينَ لَئِنْ يَرَوْا شُرَكَائِي قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ

شُرَكَاءَهُمْ وَلِيَبْلِغُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ (سورة الانعام-۶)

ترجمہ :- اور اس طرح بہت سے مشرکوں کے لیے  
 ان کے شرکیوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوش نما بنا دیا  
 ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے



اہن کو مشتبہ بنادیں۔

- جاہلی ایام میں قتلِ اولاد کی تین صورتیں اہل عرب میں رائج تھیں قرآن نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا ہے
- ۱۔ لڑکیوں کا قتل اس خیال سے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے یا قبائلی لڑائیوں میں وہ دشمن کے ہاتھ نہ پڑیں یا کسی دوسرے سبب سے وہ ان کے لیے سببِ عار نہ بنیں۔
  - ۲۔ بچوں کا قتل اس خیال سے کہ ان کی پرورش کا بار نہ اٹھایا جاسکے گا اور ذرائع کی کمی کے سبب وہ ناقابلِ برداشت ہو جھین جائیں گے۔

- ۳۔ بچوں کو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لیے

سجینٹ چڑھانا۔ اس لیے قرآن پاک نے اس کی تردید میں فرمایا۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ حَتَّىٰ إِمْدَاقٍ ط

رَحْمٌ نَزَرُ قَتْلَهُمْ وَإِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ

كَانَ خَطَاً كَبِيراً (سورہ بنی اسرائیل ۱۷۰)

ترجمہ :- یعنی اولاد کو افلاس کے اندیشہ سے قتل نہ

کرو، ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی، درحقیقت ان کا قتل

ایک بڑی خطا ہے۔ غرض اسلام نے قتلِ اولاد کی سختی سے

مانعت کی اور لڑکی کو بھی زندہ رہنے کا حق دیا اور اس کی

عزت و ناموس کو بڑھایا اور اس کا درجہ بلند کیا۔

## دوسرا باب قدیم یونان میں عورت

جب دنیا کی قدیم اقوام عالم پر نظر ڈالتے  
ہیں تو یونان سب سے زیادہ متدین تہذیب و تمدن کا  
گہوارہ نظر آتا ہے۔ اہل یونان اپنی معقولیت کے باوجود  
عورت کے بارے میں ایسے قبیح تصورات رکھتے تھے۔  
اخلاقی نظریہ، قانونی حقوق اور معاشرتی برتاؤ ہر  
اعتبار سے عورت کی حیثیت بہت گری ہوئی تھی۔ یونان  
خرافات (Mythology) میں ایک خیالی عورت پانڈورا  
Pandora کو اسی طرح تمام انسانی مصائب کا  
موجب قرار دیا گیا جس طرح یہودی خرافات میں حضرت حوا کو

تسار دیا گیا۔ حضرت حوام کے متعلق اس غلط افسانے کی شہرت نے عورت کے بارے میں یہودی اور مسیحی اقوام کے رویے پر جو زبردست اثر ڈالا ہے اور قانون، معاشرت اخلاق ہر چیز کو جس طرح متاثر کیا ہے وہ ہم یہودیت و عیسائیت میں بیان کریں گے۔ تقریباً ایسا ہی اثر پانڈورا کے توہم کا یونانی ذہن پر بھی ہوا تھا۔ ان کی نگاہ میں عورت ایک ادنیٰ درجہ کی مخلوق تھی، معاشرے کے ہر پہلو میں اس کا درجہ گرا ہوا تھا اور عزت کا مقام صرف مرد کے لیے ہی مخصوص تھا جب کہ کسی مرد سے یہ توقع نہیں کی جاتی تھی کہ وہ پاک زندگی بسر کرے گا۔ مہیو طبقہ یونانی معاشرت کا ایک جزو لا ینفک بن گیا تھا

اور اس طبقہ سے تعلق رکھنا مردوں کے لیے کسی طرح محبوب  
 نہ سمجھا جاتا تھا۔ نفس پرستی اور شہوانیت کا غلبہ ان پر ایسا  
 تھا کہ بیوا طبقے کو وہ عروج نصیب ہوا کہ جس کی نظیر پوری  
 انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ رنڈی کا کوٹھا یونانی سوسائٹی کے  
 ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ طبقوں تک ہر ایک کا مرکز و مرجع بنا ہوا تھا۔  
 فلاسفہ، شعراء، مورخین اہل ادب اور ماہرین فنون غرض سب  
 نفس پرستی میں اس کے گرد گھومتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے ذہن  
 سے یہ تصور ہی محو ہو گیا تھا کہ شہوت پرستی بھی کوئی اخلاقی عیب  
 ہے۔ ان کا معیار اخلاق اتنا گر گیا تھا کہ بڑے بڑے فلاسفہ  
 اور مسلمین اخلاق بھی زنا اور فحش میں کوئی قباحت اور کوئی  
 چیز قابلِ ملامت نہ پاتے تھے یہاں تک کہ عام طور پر یونانی

نوب نکاح کو ایک غیر ضروری رسم سمجھنے لگے تھے اور نکاح کے  
 بغیر عورت اور مرد کا تعلق بالکل معقول سمجھا جاتا تھا، جس کو  
 کسی سے چھپانے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ آخر کار ان کے  
 مذہب نے بھی ان کی حیوانی خواہشات کے آگے  
 سپر ڈال دی کام دیوی (Aphrodite) کی پرستش  
 تمام یونان میں پھیل گئی، جس کی داستان ان کے  
 خرافیات میں یہ تھی کہ ایک دیوتا کی بیوی ہوتے  
 ہوئے اس نے تین مزید دیوتاؤں سے آشنائی  
 کر رکھی تھی اور ان کے ماسوا ایک فانی انسان کو  
 بھی اس کی جناب میں سرفرازی کا نعر حاصل تھا اسی  
 کے بطن سے محبت کا دیوتا کیو پٹر پیدا ہوا جو اس

دیوی اور ان کے غیر قانونی دوست کی باہمی لگاوٹ  
 کا نتیجہ تھا۔ یہ اس قوم کی مہبودہ تھی اور اندازہ  
 کیا جاسکتا ہے کہ جو قوم ایسے کیرکیٹر کو نہ مرنے والی  
 (آئیڈیل) بلکہ مہبودیت تک کا درجہ دے دے اس کے  
 معیارِ اخلاق کی پستی کا کیا عالم ہوگا۔ یہ اخلاقی انحطاط  
 کا وہ مرتبہ ہے جس میں گرنے کے بعد کوئی قوم  
 سچر کبھی نہ اسبھر سکی۔ یونان میں جب کام دیوی کی  
 پرستش شروع ہوئی تو قحبہ خانہ عبادت گاہ میں تبدیل  
 ہو گیا۔ فاحشہ عورتیں دیوتاہیں بن گئیں اور زنا ترقی کر کے  
 ایک مقدس مذہبی فعل کے درجہ تک پہنچ گیا۔

یونان میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں

تھیں لیکن ان میں دوسب سے زیادہ مشہور تھیں اسپارٹا

اور دوسری ایتھنز (Athens) اسپارٹا میں شادی

والدین طے کرتے تھے اس موقع پر یہ رسم تھی کہ دولہا

دلہن کو زبردستی لے جاتا تھا اور دلہن مزاحمت کرتی

تھی جو لڑکیاں بغیر شادی کے رہ جاتی تھیں ان کے

لیے یہ صورت تھی کہ کچھ لڑکوں کو ایک اندھیرے کمرے

میں کر دیا جاتا تھا اور اتنی ہی لڑکیاں داخل کر دی

جاتی تھیں۔ ایک رواج یہ بھی تھا کہ کئی سبائی مل کر

کئی عورتوں سے شادی کر لیتے تھے لے شادی سے



پہلے کافی جنسی آزادی تھی۔ زنا کا ارتکاب شاذ تھا اور  
 طلاق کے واقعات بہت کم۔ اسپارٹا میں لڑکیوں  
 کو سن بلوغ تک بالکل برہنہ رکھا جاتا تھا اور  
 عورتیں ایک ڈھیلا سا لباس پہنتی تھیں جو کندھوں پر ڈھلکا  
 رہتا تھا اور بازو کھلے رہتے تھے اور ٹانگیں بھی  
 کھلی رہتی تھیں تاکہ نقل و حرکت میں دشواری نہ ہو۔ ان  
 کے بارے میں کچھ قہقہے بہت مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ  
 ایک شخص نے اسپارٹا کے شہری سے پوچھا تمہارے  
 یہاں زنا کی کیا سزا ہے؟ اس نے کہا ہمارے یہاں  
 زنا کا کوئی مرتکب ہوتا ہی نہیں، مسافر نے کہا اگر کوئی  
 کرے تو اس اسپارٹا شہری نے مزاحیہ انداز میں کہا تو

ایسی صورت میں سزایہ ہوگی کہ زانی کو ایک بیل  
 دنیا ہوگا اتنا بڑا کہ اس کی گردن ٹائیگٹس Tygetus  
 سے گذر کر ایروٹس Eurotas تک پہنچ جائے اور اس  
 سے پانی پی لے، مسافر نے حیرت سے پوچھا اتنا بڑا  
 بیل کہاں سے آئے گا؟ تو اسپارٹن نے جواب دیا کہ  
 یہاں زانی کہاں سے آئے گا

ایتھنز کے لوگ جنسی اخلاق کے معاملہ میں  
 یورپین سے زیادہ مشرقی تھے۔ شادی سے پہلے عصمت  
 کا مطالبہ صرف عورت سے ہوتا تھا لیکن غیر شادی شدہ  
 مردوں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اہم تہواروں کے موقع  
 پر جنسی آزادی ہوتی تھی۔ ڈیرے دار بیسواؤں سے تعلق

رکھنا کوئی میوب بات نہیں تھی، یہاں تک کہ شادی شدہ  
 لوگ بھی اس میں ملوث ہو جاتے تو کوئی خاص برنامہ  
 نہیں تھی۔ جسم فروشی قانوناً جائز تھی اور اس پر ٹیکس  
 لگتا تھا۔ ایتھنز میں بیسواؤں کے تین طبقے تھے۔

۱، پورنائی (Pornai) یعنی عام بیسوائیں جو چمکے خانوں  
 میں رہتی تھیں، پبلک کی سہولت کے لیے وہاں لنگ کا  
 نشان بنا ہوتا تھا یہاں داخلہ کی فیس ایک ایل Able  
 ہوتی تھی جسم فروشوں کا لباس اس قسم کا ہوتا تھا کہ  
 انھیں عریاں کہا جاتا تھا جس طرح ایک خریدار کتے کا  
 مائٹہ کرتا تھا۔ اسی طرح یہاں جانچ پڑتال میں  
 آسانی ہوتی تھی۔ سودا ایک ہفتے، ایک مہینے یا کسی بھی

مَدّت کے لیے ہر سکتا سکتا اس میں شرکت بھی ہو سکتی تھی  
اور شرکار اپنے اوقات طے کر یا کرتے تھے۔

(۲) مطربات۔ دوسرا طبقہ مطرباؤں کا تھا جو موسیقی  
اور شہوانی ناچوں سے اپنے مہمانوں کی دل جوئی کرتی۔  
سکتیں۔ بوڑھی (ریٹائرڈ) بیسوائیں فاقہ کشی سے بچنے کے  
لیے مطربات ٹریننگ سینٹر کھول لیتی تھیں جہاں اپنے  
فنون کی تعلیم دیتی تھیں۔

(۳) سب سے اونچے طبقے کی بیسوائیں ہٹیائی رانی کہلاتی  
تھیں۔ یہ عموماً شہری طبقہ اور شریف گھرانوں سے تعلق  
رکھتی تھیں جو پردہ سے باہر نکل آتی تھیں یہ اپنے گھروں  
میں آزادانہ زندگی بسر کرتی تھیں اور وہیں اپنے چاہنے

والوں کے لیے درباری کا سامان مہیا کرتی تھیں اور یہ  
 بہت ذہین اور عقلمند ہوتی تھیں۔ ان سے بڑے بڑے  
 فلاسفر اور شریف لوگ ہی تلمذ حاصل کر سکتے تھے ان  
 میں کچھ تو ایسی تھیں جنہوں نے تاریخ میں نام پیدا کیا۔  
 مثلاً ستھارگیلیہ Thargelia جس نے ایرانیوں کے لیے جاسوسی  
 کی اور اس کے لیے ایتھنز کے زیادہ سے زیادہ سیاستدانوں  
 کے ساتھ شب باشی کی۔ ایرکیہ نیسہ Archeanassa تھی  
 جو افلاطون کا دل بہلاتی تھی وغیرہ۔

ڈیائی Danae اور لیونٹیئم Leontium

ایکیورس Epicurus تھمیستونائی Themistone

نتیجہ Gnathaena فرانسی Phryne ایوسینیہ

Elusinia یوسائیڈونیہ Pseidonia پریسیڈیلن

Praxiteles اور لیس Luis وغیرہ جو بیوا طبقہ سے تعلق

رکھتی تھیں اور تاریخ میں وہ اپنے اس مذہب فعل کے

باوجود شہرت رکھتی ہیں لہ

عورتوں کو تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا

گیا تھا ان کی نظر میں عورت کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔

ان کا یہ مشہور قول تھا کہ آگ سے جل جانے اور سانپ سے

ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔

لہ مغربی تہذیب، آغاز و انجام از محمود ذکی ص ۸۶ - ۸۸

لہ عورت اسلامی معاشرہ میں، از جلال الدین عمری ص ۱۶۰

نیڈورانی نامی ایک عورت کی بابت یونانیوں کا اعتقاد

تھا کہ وہی تمام دنیوی آفات و مصیبت کی جڑ ہے۔ جس طرح

یہودی خرافیات میں حضرت حوّا کو قرار دیا گیا ہے۔

ایک یونانی ادیب کہتا ہے کہ دو موقعوں پر عورت

مردوں کے لیے باعثِ مسرت ہوتی ہے ایک تو شادی کے

دن اور دوسرے اس کی موت کے دن۔ یونانیوں کی نگاہ۔

میں عورت ایک ادنیٰ درجہ کی مخلوق تھی، ممانشت کے

ہر پہلو میں اس کا درجہ گرا ہوا تھا اور عزت کا مقام صرف

مردوں کے لیے مخصوص تھا لے

قدیم یونانیوں میں عورت کو شیطان کی بیٹی اور

سجاست کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا وہ علاموں کی طرح بازاروں میں

نیچي جاتي تھي۔ ميراث ميں بهي اس كا كوئي حق نہ سٹھا تھام  
 اختيارات مردوں كو حاصل تھے۔ نكاح و طلاق كا پورا معاملہ  
 مردوں كے ہاتھ ميں سٹھا۔ شوهر كے مال ميں بهي عورت كو  
 كوئي حق نہ سٹھا۔ حصول طلاق اور خلع كا بهي اُسے قابل ذكر  
 حق حاصل نہ سٹھا۔

يونان ميں ارسطو جيسے بڑے فلسفي بهي حقوق نسواں  
 كو اچھي نظر سے نہيں ديکھا ہے۔

خالدہ اويب خانم اپني كتاب ايتھنز ميں لکھتي هيں  
 كہ شريف عورتوں كو شھري حقوق حاصل نہ تھے وہ مكانوں  
 سے نيچے نہيں اترنے پاتي تھيں۔ تعليم سے محروم ہونے كي  
 وجہ سے اور زمانے كے رسم و رواج كے مطابق وہ اپنے



اعلیٰ تربیت یافتہ شوہروں کا حق ادا کرنے سے مجبور تھیں۔  
 تیسرا طبقہ طوائفوں کا تھا جو مصاحبات کہلاتی تھیں ان کو بیویوں  
 کے حقوق حاصل نہ تھے۔ لیکن کل شہری حقوق حاصل تھے۔  
 ان کی وجہ سے لوگوں کا اخلاق بہت خراب ہو گیا تھا  
 اور ان کو سرکاری حمایت بھی حاصل تھی عقاد کہتے ہیں  
 کہ عورتوں کو تنگ کمریوں میں رکھا جاتا تھا، اور ان پر  
 علم و فن کا ہر دروازہ بند تھا حتیٰ کہ شریف عورتوں کا  
 سماج میں کوئی مقام نہیں تھا۔ لیکر اپنی کتاب ”تاریخ  
 اخلاق یورپ“ میں لکھتا ہے۔ ”حیثیت مجموعی با عصمت یونانی  
 بیوی کا مرتبہ بہ نایت پست تھا، اس کی زندگی سراپا  
 غلامی میں بسر ہوتی تھی۔ لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی

میں اپنے شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی اطاعت  
 میں زندگی گزارنا پڑتی تھی۔ وراثت میں بھی اس کے  
 مقابلہ میں مردوں کو حق حاصل تھا۔ جب جاگیرداری نظام  
 شروع ہوا تب بھی عورت کو اس کے حصہ سے محروم رکھا  
 گیا۔ طلاق کا حق تو عورت کو قانوناً حاصل تھا لیکن عملاً  
 وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کیوں کہ عدالت میں  
 اس کا اظہار یونانی ناموسِ حیا کے منافی تھا لہ

افلاطون نے مرد و عورت کے مساوات کا دعویٰ  
 کیا تھا لیکن اس کی یہ تعلیم محض زبانی رہی لیکن عملی زندگی  
 کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا اس کا نظریہ تھا کہ ازدواج کا

مقصد صرف طاقتور اولاد پیدا کرنا ہے جو ملک کی حفاظت کے  
 کام آئے اور اسپارٹا کے قانون میں تو یہ تصریح موجود تھی  
 کہ کمزور و عمر دراز مردوں کو اپنی کم سن بیویاں کسی نوجوان  
 کے جہاز عقد میں دے دینا چاہیے تاکہ فوج میں قوی  
 سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

افلاطون کا تخیل تھا کہ بُرے لوگ مرنے کے بعد  
 عورت بنا دیئے جاتے ہیں۔ مسقراط عورت کو فساد کی جڑ  
 کہتا تھا۔ یونانِ قدیم میں عورت کا مقام بہت ہی پست  
 تھا۔ تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے یونانی عورت کو انہیت  
 پر بار سمجھتے تھے وہ اس طرح زندگی گزارتی تھی جیسے  
 کوئی غلیظ گری پڑی چھیر ہو۔ یونان کے بڑے بڑے

مفکرین اور مورخین کا خیال تھا کہ عورت کے نام کو بھی  
 اس کی ذات کی طرح گھروں میں قید کر دیا جانا چاہیے لہ  
 یونانی بیوی کو محض ایک بچہ پیدا کرنے  
 والی مشین سمجھتے تھے اور دوسرا کام اس کا جو عورت پر لازم  
 تھا وہ یہ کہ عورت شوہر اور گھر والوں کی خدمت کرے  
 اسی لیے شادی کے بعد عورت اپنے گھر کو چھوڑ کر اپنے  
 شوہر کے گھر آ جاتی تھی اس لیے نہیں کہ وہ گھر کی مالکن  
 بن کر رہے بلکہ اس لیے کہ وہ حق خدمت اچھی طرح انجام  
 دے سکے اور بچے پیدا کر کے ان کی پرورش کرے بس ان  
 کا اپنی بیویوں سے اتنا ہی تعلق تھا۔ جذبہ محبت کے اظہار کے

کے لیے دوسرا میدان تھا جس کی عکاسی دیہی بستیاں اس طرح کرتا  
 ہے۔ ہم بیواؤں کے پاس لذت حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں اور  
 گرل فرینڈس اپنے روزانہ کے پروگراموں کو ٹھیک کرنے کے  
 لیے بناتے ہیں اور بیویوں کو اس لیے رکھتے ہیں تاکہ وہ  
 قانونی طور پر ہمارے بچے پیدا کر سکیں لہ گھر میں باپ کے  
 اختیارات لامحدود تھے وہ جتنی چاہتا کنیزیں رکھ سکتا تھا۔  
 بیوی کو مہمان کی دل جوئی کے لیے پیش کر سکتا تھا۔ بچوں کو  
 مرنے کے لیے پہاڑوں پر ڈال سکتا تھا اور دیوتاؤں پر  
 قربان کر سکتا تھا۔ شادی خرید و فروخت کی ایک صورت تھی لہ

---

لہ عورت اسلام کی نظریں از ابھی الخولی ص ۲۲ تا ۲۸

لہ مغربی تہذیب آغاز و انجام، از محمد ذکی ص ۷۵

## تیسرا باب قدیم رومن ایمپائر میں عورت

یونانیوں کے بعد جس قوم کو عروج نصیب

ہوا ان میں سر فہرست روم آتا ہے جو تہذیب

و شائستگی کا گہوارہ تھا۔ سنل انسانی کی اہمیت

موجودہ زمانے سے کہیں زیادہ اس زمانے میں

تھی۔ جس پر مذہبی، سماجی اور سیاسی مقاصد

مختصر ہوتے تھے۔ مثلاً خاندان کا نام باقی رہنا،

اسلاف اور بزرگوں کی یاد تازہ رکھنا، گھر اور

قبیلے کے سرپرست کی ذمہ داری تھی، وہ

خاندان اور آباؤ اجداد کی یاد ہمیشہ عبادت کے ذریعے

تازہ کرتے تھے۔ تمام آباءِ اجداد میں سے ہر ایک کے  
 لیے ایک عید ہوتی تھی جس کو وقتِ مقررہ پر منایا  
 جاتا تھا۔ ان کے نام کو زندہ رکھنا اور ان کے  
 لیے نذرانہ عقیدت پیش کرنا ان کے اولین فرائض  
 میں سے تھا۔

باوجود اس کے اُن کے یہاں بھی عورتوں  
 سے احتراز تھا۔ ان کا تصور تھا کہ مردوں پر عورتوں  
 کی بلا مسلط کی گئی ہے لے

قدیم رومی عہد میں رٹا کی پیرائش کو  
 بہت بُرا سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ رٹا کی کو قتل کرنے

کی ایک عادت بن گئی تھی اور اگر لڑکا ہوتا تو اس کا اچھی طرح سے خیر مقدم کیا جاتا اس لیے کہ لڑکوں کو دولت و ثروت کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے وہ اپنی عورتوں کو جو ناقص بچے پیدا کریں (یعنی لڑکیاں) اور بانسجھ پن کو بد حال سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی لیے اگر کوئی لڑکا ولد مر جاتا تو وہ اس کو ہمیشہ کے لیے عذاب کا مستحق سمجھتے تھے۔

لڑکے کی پیدائش پر اس قدر خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا جب آٹھ روز گزر جاتے تھے تو وہ لوگ آگ جلا کر اس کے ارد گرد ایک بھیانک



اور ڈراؤنی قسم کی تقریب مناتے تھے جس کے ذریعہ وہ بچے کو اپنے خاندان میں ضم کرتے تھے ان کے تخیل کے مطابق اس تقریب کے بعد وہ کچھ رومی الاصل نظام کے ساتھ منسلک سمجھا جاتا تھا اور اس نظام کو آبائی خاندان کے نام سے جانا جاتا تھا۔<sup>۱</sup> باپ کا اقتدار اور اس کی گرفت تقریباً ہر قید و بند سے آزاد ہوتی تھی اور جمہوریت کے پہلے دور میں باپ ہی کو مکمل طور پر قانونی حقوق حاصل ہوتے تھے اور اس کو خریدنے (یعنی لڑکی کو خریدنے) اور اس میں تصرف کا پورا حق ہوتا تھا

---

<sup>۱</sup> ازواج والطلاق بین الاولیاء، از عبد اللہ المراغی ص ۵۹

اگر بیوی سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو باپ کے  
 حضور میں اس کو پیش کیا جاتا تاکہ اس کے متعلق فیصلہ  
 کیا جا سکے اور وہ پُفس نفیس سزا دے سکے۔

خیانت کی صورت میں شوہر بیوی کو جان سے  
 مارنے کا پورا حق رکھتا تھا۔ نیز اس کو اپنی بیٹیوں کو  
 قتل کرنے یا غلاموں کی طرح بازار میں فروخت  
 کا بھی حق حاصل تھا، بیٹے کی آمدنی بالکلیہ باپ  
 کی ملکیت ہوتی تھی۔ والد کی مرضی کے بغیر بیٹا شادی  
 بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لڑکی شادی کے بعد بھی باپ کی  
 سرپرستی میں ہی رہتی تھی، جب تک کہ باپ خود ہی  
 اپنی بیٹی کو شوہر کی سرپرستی میں نہ دے دے۔ روم

کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے عالمی  
 نظام میں شادی اور طلاق کے متعدد طریقے رائج تھے<sup>۱</sup>  
 رومیوں کے عالمی نظام میں شادی و طلاق کے قواعد  
 مضابط ہمیشہ ملحوظ رکھے گئے ہیں ان میں اصل تعدد  
 ازدواج کی ممانعت تھی لیکن ان لوگوں کے یہاں دو  
 طرح کی شادی ہوتی تھیں ایک شادی کی نوعیت یہ  
 ہوتی تھی کہ شوہر کو اس کے کسی بڑے کو بیوی پر  
 کوئی برتری اور کوئی دباؤ کا حق نہیں ہوتا تھا  
 بلکہ عورت اپنے تمام معاملات میں آزاد ہوتی تھی  
 البتہ شادی کے بعد ہونے والی اولاد اپنے والد کے  
 سرپرست کی سیادت کو تسلیم کرتی تھی اس کو شادی

---

۱۔ ایضاً

بلا اقتدار کہا جاتا تھا لے

دوسری نوعیت یہ تھی جس میں بیوی مجبور

محض ایک غلام بن کر رہتی تھی اس کو شادی مع الاقتدار

کہا جاتا تھا اس میں صرف لڑکے اور لڑکی کا راضی

ہونا ہی کافی نہیں تھا بلکہ ازواجی اقتدار کے ساتھ

کچھ دوسرے امور بھی انجام دینے پڑتے تھے

لہذا نکاح تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ

سے منعقد ہو جاتا تھا۔ جس میں دو طریقے قانونی

اور ایک غیر قانونی تھا۔ ان مذکورہ دو قانونی طریقوں

میں سے بھی ایک طریقہ مذہبی شادی کا تھا اور یہ

---

لے ایضاً

بیک وقت سرکاری اور مذہبی دونوں طریقوں کا حال  
 تھا۔ یہ شادی چوں کہ مذہبی کہلاتی تو یہ کسی عبادگاہ  
 میں ہوتی تھی جس میں شادی کرنے والا لڑکا سب  
 سے بڑے خدا (عبت) کے آگے قربانی پیش کرتا  
 تھا اور یہ قربانی ایک ایک کی صورت میں ظہور  
 پذیر ہوتی تھی گویا کہ کیک بتوں کی نظر کیا جاتا  
 تھا اور مخصوص مذہبی دعائیں دس گواہوں کے  
 سامنے پڑھی جاتی تھیں، رومی قانون میں کسی بھی  
 معاملہ کے لیے مقرر کردہ گواہوں کی تعداد میں یہ  
 تعداد سب سے بڑی تھی، نیز عقد نکاح ایک بڑے  
 عالم اور مندر کے کاہن کی موجودگی میں انجام پاتا تھا

تیسرا طریقہ ساتھ رہ کر شادی کرنے کا تھا  
چناں چہ لڑکا اور لڑکی پورے ایک سال تک شوہر  
اور بیوی کی طرح رہتے تھے اس باہمی معاشرت کی وجہ  
سے شوہر بیوی پر اقتدار حاصل کر لیتا تھا، اس عقد  
کے درست ہونے کے لیے بھی وہی شرائط تھیں جو  
کہ ”ازدواج بلا سیادت بلا اقتدار کی شادی کے لیے ہوتی  
تھیں۔ اس عقد اور رشتہ ازدواج کے نتیجہ میں  
لڑکی اپنے اصلی خاندان کو خیر باد کہہ کر شوہر کے  
گھر آ جاتی تھی وہ شوہر کے گھر میں بیوی کی طرح  
نہیں بلکہ لڑکی کی طرح رہتی تھی۔ اس کا تعلق اپنے  
آبائی گھر سے بالکل منقطع ہو جاتا تھا۔ اس کا اصلی مذہب

کبھی ختم ہو جاتا تھا، بلکہ اس کو شوہر کا مذہب اپنانا  
 پڑتا تھا اور عورت شوہر ہی کے خاندان کا ایک جز  
 بن کر رہ جاتی تھی کیوں کہ اب عورت شوہر کی تابعدار  
 ہوتی جب کہ شوہر آزاد اور اپنے حقوق میں مطلق  
 انسان ہوتا تھا۔ اور اگر وہ کسی کی سرپرستی میں ہوتا  
 تو یہ سرپرستی بیوی کو تسلیم کرنی پڑتی۔ شوہر کا یہ  
 اقتدار و سرپرستی بالکل ویسی ہی تھی جیسے کہ باپ  
 کو پورے خاندان پر حاصل ہوتی تھی لہذا شوہر  
 بیوی کو کسی بھی وقت فروخت کرنے اور اس کو  
 سزا دینے اور طلاق دینے کا مطلق اختیار رکھتا تھا۔  
 گویا شادی کے بعد عورت بیوی کیا بلکہ فراں بردار کنہ

کے ایسے افراد میں سے ایک فرد بن جاتی تھی جو  
 آقا کے آگے ہمہ وقت سر تسلیم خم کئے رہتے  
 تھے کیوں کہ عورت کا تمام مال و اسباب شوہر کا  
 ہو جاتا تھا وہ مال اس کا اپنا ہو یا اس کے باپ  
 نے اس کو دیا ہو۔

بعض رسوم ایسی بھی تھیں جس سے عورت  
 کی بہت تنہیف ہوتی تھی اور عورت کی خرید و فروخت  
 کے ذریعہ شادی کرنا بہت عام تھا۔ اور وہ شادی  
 کے بعد اس کی تابع ہو جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شادی  
 کا یہ طریقہ بہت قدیم ہے۔

---

لے ایضاً لے ایضاً



رومیوں کے یہاں طلاق کا حق مرد اور

عورت دونوں کو یکساں حاصل تھا۔ روم میں طلاق

صرف مال داروں ہی کے لیے جائز نہیں تھی بلکہ وہ

عام تھی اور اس کا وقوع کثرت ہوتا تھا چونکہ اس

کے لیے حدود و قیود نہیں تھیں - - - - -

- - - - - جمہوری روم کے آخر دور میں طلاق کا وقوع

کثرت ہو گیا تھا۔

روم میں عورتوں کو کسی قسم کے مالکانہ حقوق حاصل

نہ تھے۔ جسٹی نین کے عہد میں یہ قانون بنا کہ عورت اپنی

ذاتی کمائی کی مالک ہو سکتی ہے، لیکن نکاح کو عورت

کے خریدنے کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا جس کی وجہ وہ اس حق سے

محروم

کئی قاصرہ جاتی تھی۔ رویوں میں غلاموں کے ساتھ  
عورتوں کو بھی شمار کیا جاتا تھا اے جس کے مالک باپ یا  
شوہر ہوتے تھے اے

خالدہ اریب اپنی کتاب ایجنڈز میں لکھتی  
ہیں کہ عورتیں عمر بھر دوسروں کی ولایت میں رہتی تھیں  
اصولاً وہ ہمیشہ نابالغ ہی سمجھی جاتی تھیں اور مردوں کو ان  
پر اتنا اختیار تھا کہ وہ اپنی بیویوں کو مارتے پیٹتے  
حتیٰ کہ ان کو قتل کرنے کا مجاز بھی رکھتے تھے۔ کاٹو  
کا مشہور جملہ تھا کہ عورت کی بیڑی کبھی کھولی نہیں  
جاسکتی اور نہ اسے آزادی دی جاسکتی ہے۔

رومی مفکرین کو ایک مدت تک یہی اختلاف  
 رہا کہ عورت انسان ہے یا نہیں۔ کچھ ایک مجلس میں یہ  
 طے ہوا کہ وہ حیوان ہے اور اس میں روح نہیں ہے لہ  
 یسکی اپنی کتاب تاریخ اخلاق یورپ میں رومی عورت  
 کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔

”عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ  
 دراز تک نہایت پست رکھا۔ خاندان کا حاکم باپ یا  
 شوہر ہوتا تھا۔ اُسے اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار  
 تھا کہ وہ جب چاہے عورت کو گھر سے نکال سکتا تھا۔  
 باپ کو اس حد تک اختیار تھا کہ وہ اپنی لڑکی کی جہاں

چاہتے شادی کرتے، حتیٰ کہ کرمی کرائی شادی توڑ کر  
دوسری جگہ کر سکتا تھا۔ پھر یہ حق باپ سے منتقل ہو کر  
شوہر کو حاصل ہو گیا اور شوہر کے اختیارات اتنے وسیع  
ہو گئے کہ وہ جب چاہے اپنی بیوی کو قتل کر سکتا تھا<sup>۱</sup>  
اور دوسری بیوی رکھ سکتا تھا۔ اس عمل سے طلاق کا  
رواج ختم ہو گیا تھا۔ غلاموں کی طرح عورت کا مقصد  
بھی خادمہ سمجھا جاتا تھا۔ مرد اپنی غرض سے شادی  
کرتا تھا، وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی یہاں  
نہیں کہ اس کی گواہی کا اعتبار نہ ہوتا اور نہ ہی اس سے  
مشورہ لینے کی ضرورت سمجھی جاتی۔ رومی سلطنت میں اس

مسلم پرنسپل لا اعتراضات کی حقیقت

۱

از عمر حیات غوری

کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہ تھا۔ بعد کے ادوار  
 میں اس کو کچھ حقوق دے گئے اس کے باوجود اس کو  
 مرد کے مساوی درجہ حاصل نہ ہو سکا۔

عورت عدالت میں حاضر ہونے کی مجاز نہیں تھی  
 اور گواہی تک نہیں دے سکتی تھی۔ شوہر کی موت کے بعد  
 اس کی جائیداد میں اس کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ وہ تمام زندگی  
 مرد کی محکوم رہتی، باپ، بھائی، شوہر یا بیٹے کے مذہبی معاملہ  
 میں البتہ اس کا ایک مقام تھا۔ مثلاً مذہبی رسوم اس کی  
 نگرانی میں ادا کی جاتی تھیں، اس کا خاص فریضہ ملازموں کی  
 نگرانی اور اولاد کی تربیت اور دیکھ بھال کرنا تھا۔

## چوتھا باب ہندو دھرم کا تعارف

ہندوستان ایک قدیم ملک ہے اور ہمیشہ سے ہی  
 تہذیب و تمدن کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ مذہبی سلسلے میں  
 ہمیں آریوں سے پہلے کوئی مذہبی روایات نہیں ملتی۔ ہندوستان  
 کی اس قدیم مذہبی روایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے  
 برہمن مت اور ہندو مت۔ برہمنی طبقہ کا عروج سب سے  
 زیادہ تھا اور مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور ان کا دور  
 ویدک مت کہلاتا تھا۔ اس کے بعد ویدک دور ختم ہوا تو  
 رامائن اور مہا بھارت کا زمانہ آیا جو ویدک مذہب سے ممتاز  
 و برتر تھا۔ مہا بھارت میں کوروں اور پانڈوؤں کے درمیان

جنگ تخت نشینی ہے اور دیگر متعلق روایات واقعات ہیں  
 کہ تاریخی طور پر ہندوستان سے متعلق معلومات کا خزانہ  
 کہی جاسکتی ہے۔<sup>۱</sup>

لیکن رامائن ایک شخصیت رام چندر جی اور ان سے  
 متعلق لوگوں کے بارے میں ہے۔ اس مذہب کو آریائی مذہب  
 بھی کہہ سکتے ہیں۔ آریہ قوم وسط ایشیا سے چل کر مختلف ملک  
 میں بس گئے۔ مثلاً ایران، افغانستان، ہندوستان، اس لیے  
 ہندوستان میں رہنے والے ہندو کے نام سے مشہور ہوئے۔  
 اس کی ابتدائیں ہزار سال قبل مسیح یا پانچ ہزار سال  
 قبل مسیح تصور کی جاتی ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح اس مذہب

---

۱ The Hindu Religion & Mythology - Dr. R. C. Majumdar  
 Part I

کا کوئی بانی نہیں تھا بلکہ ایک جماعت نے قدرت کی طاقتوں  
 اور انسانی فطرت کی رعایت کرتے ہوئے بنی نوعِ انسان  
 کے اندر باہمی اخوت نیکی اور سچائی کی ترغیب نیز خالقِ کائنات  
 کو مالکِ کل سمجھنا اور اس کی پرستش کرنا اور دوسروں کو  
 سبھی اس کی تلقین کرانا تھا۔

ان کے عقیدے کے مطابق وقتاً فوقتاً ایسے

رشی اور درویش دنیا میں آتے رہے جنہوں نے انسانوں  
 کے لیے ایسے قوانین کا انکشاف کیا <sup>انہی حکامتوں کو</sup> جنہوں نے بنی

نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کی خاطر یکجا کر کے وید کا نام  
 دیا اس لیے وید کے معنی بھی علمِ مکاشفہ کے ہیں۔



اس لیے ہندو دھرم کا تعلق حقیقت سے زیادہ رسمی ہے یہی  
 ہندو مت دھرم کم اور سماج زیادہ ہے اس کا کوئی بانی نہیں  
 ہے نہ تھا۔ اس دھرم میں متحدہ اوتار، رشی، سنت اور  
 بھگت ہوئے لیکن سب سے زیادہ شہرت اور ہر دل عزیز  
 رام اور کرشن کو ہی حاصل ہوئی۔ بال میک نے رام کو پُرتھو  
 رپرش اتم قرار دیا جس کے معنی فوقِ بشر کے ہیں۔ رام ایک  
 کردار ہی نہیں بلکہ نیکی، سچائی، سادت مندی، فرض سناشی  
 ایثار اور فرماں برداری کی تصویر بھی ہیں۔ رام راج کو  
 ایک آئیڈیل طرزِ حکومت مانا گیا ہے۔ دسہرا اور دیوالی  
 رام چندر کی فتح لٹکا اور اجودھیا واپس ہونے کی خوشی میں  
 منایا جاتا ہے جس کو دنیا کا ہر ہندو آج بھی مناتا ہے۔



ان کو دشمنو کا ساتواں اوتار بھی کہا جاتا ہے۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے اس مذہب نے بھی عورت کے متعلق وہی قبیح نظریات پیش کیے۔ رام چندر جی جیسی مقبول شخصیت نے بھی اپنی بیوی ستیا کے مقابلے میں عوامی رائے کو زیادہ اہمیت دی۔ اس مذہب نے جو انسانی فلاح و بہبود کے قوانین بنائے گئے، لیکن عورت کے لیے وہی حقیر و ذلیل رسم و رواج رہے۔ اسی طرح ہندو دھرم کی متعدد شاخیں بتی رہیں مثلاً بدھ دھرم و جین دھرم وغیرہ۔ لیکن انہوں نے عورت کے لیے وہی نظریات رکھے جو اس کے لیے پہلے سے منسوب ہو چکے تھے۔

(ب)

## قدیم ہندو مذہب میں عورت کی حیثیت

قدیم زمانے سے ہندوستان ایک مذہبی ملک سمجھا جاتا تھا، اس کی مذہبی حیثیت کو ہمیشہ دوسری حیثیتوں پر فوقیت رہی۔ ہندو فلسفہ میں یہ بنیادی تصورات پائے جاتے ہیں کہ دنیا میں سب اپنے کرم کا سچل حاصل کر رہے ہیں اور انسان کی سعادت اس میں سمجھی گئی کہ وہ زیادہ سے زیادہ مادی بندھنوں اور رشتے نامی کی پابندیوں سے آزاد ہو کر برہم چاری زندگی گزارے۔ سنیا س لے کر بن باس کرے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ لے۔ لیکن آریہ سماج کے یہاں نکاح اور ولادت بابرکت اور مقدس چیز سمجھی جاتی تھیں وہ سمجھتے تھے

کہ والدین کے ذریعہ بچوں میں زندگی کا منتقل ہونا زمین پر نوع انسانی کی بقا اور تحفظ کا ضامن ہے۔ آریوں کے نزدیک کسی غیر خاندان کی عورت سے شادی کرنا یا بے اولاد مرجانا بھی جرائم میں شمار ہوتا تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آریہ سماج صرف ایک ہی شادی کرتے تھے۔ امراء حکمران طبقہ کے لوگ کئی بیویاں رکھتے تھے۔ تاہم اوسط درجہ کے افراد دوسری شادی نہیں کرتے تھے لیکن مخصوص حالات کے پیش نظر مثلاً بیوی کے صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں تو پھر دوسری شادی کے لیے مجبور ہوتے تھے اور دنیا و آخرت کی سعادت نسل و خاندان کی بقا اور اسباب بقا مثلاً شادی وغیرہ

میں سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں شادی کے رسم و رواج اور تمام  
 معاملات بظاہر مذہبی طریقہ سے انجام پاتے تھے لہ  
 شادی کی رسوم دعاؤں اور مغروں کی شکل میں  
 نمودار ہوتی تھیں اور اس وقت عمدہ اور بیش قیمت مہر سنا  
 کا دلکش منظر پیش کیا جاتا تھا۔ بیٹوں کی کثرت سے خاندان  
 کی وسعت اور عیش و عشرت میں اضافے کا باعث سمجھتے تھے  
 لیکن برہمی دور میں بچہ کی پیدائش، اس کی پرورش، گھریلو  
 امور کی ذمہ داری خواتین کے فرائض اصلیہ میں شمار کئے جانے  
 لگے۔ یہ ذمہ داریاں مستقل طور پر عورت کی گردن کا طوق  
 بنی رہتی تھیں۔ نیز عورت کو شوہر کی جی حضوری میں زندگی

گزارنی ہوتی تھی۔ چناں چہ سماج کے رسم و رواج کے مطابق  
ایام دوشیزگی باپ کی سرپرستی، ازواجی زندگی شوہر کی  
اطاعت اور بڑھاپے کی زندگی اولاد کی سرپرستی میں  
گزارنی ہوتی تھی۔ یعنی کہ برہمنوں کے دور میں عورت کی  
حیثیت ایک قیدی سے زائد نہ تھی، خواتین کی آزادی کا کوئی  
تصور تو ان کے یہاں تھا ہی نہیں۔

برہمنوں کے یہاں شادی شدہ خاتون اپنے شوہر  
کے لیے تنگ و عار کا باعث بھی سمجھی جاتی تھی، چناں چہ  
بیوی کے چال و چلن کی نگرانی شوہر پر ضروری تھی۔ مرد  
اپنے بچوں اور خاندان کی حفاظت کا ضامن ہوتا تھا اور  
ایک شریف خاتون پر یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے شوہر کے تقدس و

احترام کو برقرار رکھے خواہ شوہر کا رویہ اس کے ساتھ  
کیسا بھی ہو۔ اس لیے بیوی اگر شوہر کی وفادار نہیں ہوتی  
بدترین برتاؤ کا شکار ہو جاتی تھی۔

ہندو تسلیم و قانون نے عورت پر بہت سختیاں  
کیں اور اس کو بڑی زبردست بندشوں میں جکڑ دیا۔ مختلف  
و متعدد ہندو تہذیبوں میں عورت کے حالات پر ریسرچ و  
تحقیق سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مذاہب و عقائد اور رسم و  
رواج نے کبھی تو عورت کو بڑا مقام دیا اور کبھی اسے ایسے  
مقام و مرتبہ تک پہنچایا کہ جہاں اس کو قید زلت و رسوائی کا  
سامنا کرنا پڑا۔

ہندو قانون میں سب سے مستحکم شادی وہ شادی ہوتی تھی جو

والدین یا بڑوں کے ہاتھوں سرانجام پاتی تھی

ایک نوجوان اپنے ہی خاندان اور سماج

میں شادی کرنا بہتر سمجھتا تھا لیکن اسے بہت سی شادیاں

کرنے کا حق بھی ہوتا تھا۔

ہندو معاشرہ میں مکمل طور پر آبائی حکومت ہوتی

تھی۔ باپ کو بیوی اولاد اور غلاموں پر مکمل اختیار اور

فوقیت حاصل ہوتی تھی البتہ عورت ایک خوبصورت

مخلوق شمار ہوتی تھی لیکن سچر بھی مرد کے مقابل اس کو

کم درجہ حاصل تھا۔

<sup>21</sup> Convention of Religions in India by Bimla  
Publishing House p no 9 to 25



ہندومت میں عورت کو غلامی و محکومی کی زندگی  
 سے نجات نہیں ملی۔ اس لیے منو کے قانون میں عورت اپنی  
 زندگی میں باپ، شوہر یا بیٹوں کے ماتحت رہتی تھی۔  
 اور ان کے شوہر کے رشتہ داروں کے زیرِ حکم آجاتی تھی۔  
 پروفیسر سی میتا لکھتا ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت مائتھی  
 نظام میں ہندو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ اسی لیے ستی  
 کی رسم رائج ہوئی اور عورت کو شوہر کی چتا پر زندہ  
 جل کر مرنا ایک ہندو عورت کے لیے کارِ عظیم سمجھا  
 جاتا تھا۔

منو کی اس طرح مجموعی تسلیم اور قانون نے مردوں  
 کو جو بالادستی دی تھی اس کا انجام یہ ہوا کہ عورتیں محکوم

ہو گئیں اور آج تک محکوم ہیں۔

To the Hindu woman who did not stray away from the standards laid down by man, her husband was her lord, her master and her God. and many stories are told of the conjugal devotion of Hindu women in the literature of the period under review.

گستاوی بان کہتا ہے کہ ویدک زمانے میں عورت کی حیثیت مساوات کی تھی۔ وید کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت عورت ایسی ذلیل اور بد نہیں سمجھی جاتی تھی جیسی وہ منو شاستر میں دکھائی گئی

ہے۔ وید میں عورتوں کا ذکر ہمیشہ "تعلیم کے ساتھ ہوا  
 ہے۔ برہمنی زمانے میں بھی عورت کو بہت حقیر سمجھا جاتا  
 تھا۔ منو کہتے ہیں کہ عورتوں کا وجود صرف اس لیے ہے کہ  
 بچے دیں ان کی پرورش کریں اور ہر روز خانہ داری کے کام  
 میں مصروف رہیں لہٰذا کڑی بان کہتا ہے کہ عورت ہمیشہ  
 سے کمزور اور بے وفا ہے۔ اس کا ذکر ہمیشہ حقارت سے  
 کرنا چاہیے۔ لی بان نے دوسری قوموں کی کہاووتوں سے  
 عورت کا مقام دکھایا ہے۔ چینی مثل ہے کہ عورت جو کہے  
 سن لو لیکن کبھی اس کی تصدیق نہ کرو۔ روسی ضرب المثل  
 ہے "دس عورتوں میں ایک ہی روح پائی جاتی ہے"



جوانی میں شوہر اور بڑھاپے میں اپنے بیٹوں کے تابع رہنا  
 چاہیے۔ ہندو قانون میں عورت کو بہت میوب سمجھا جاتا  
 تھا۔ ڈاکٹر گستاوی بان نے لکھا ہے کہ ہندو قانون عورت  
 کے لیے کہتا ہے کہ تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر اور  
 زہریلے سانپ ان سب میں سے کوئی بھی اتنا خطرناک  
 نہیں ہو سکتا جتنی عورت۔ عورت کی فطرت میں ایسی ہی بے  
 وفائی ہے جیسے چڑیا کی فطرت میں اڑنا لے جھوٹ بولنا  
 عورتوں کا ذاتی خاصہ ہے۔

چانکیہ برہمن جس نے منو کی منوسمرتی کو حشر زوائد  
 سے پاک کیا اور جس کی تعلیمات ایک عرصہ تک حکومت کا

کا دستور العمل رہیں وہ کبھی عورت کے متعلق اچھی رائے  
 قائم نہ کر سکا۔ اس کا نظریہ سٹھا دریا، مسلح سپاہی، بچے  
 اور سینگ رکھنے والے جانور، بادشاہ اور عورت پر بھروسہ  
 نہیں کرنا چاہیے۔

شہزادوں سے تہذیب اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی  
 قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مٹکاری سیکھنی  
 چاہیے۔ آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت  
 یہ سب موجب ہلاکت ہوتے ہیں ان سے ہمیشہ ہوشیار  
 رہنا چاہیے۔

دوست، خدمت گار اور عورت، مفلس آدمی کو چھوڑ  
 دیتے ہیں اور جب وہ دولت مند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے

پاس آ جاتے ہیں۔

منو کے طریقے میں عورت کی تخلیق صرف مرد سے  
 محبت، زیب و زینت، جنسی خواہشات میں لت پت اور غصہ کو  
 اس کی سرشت میں رکھ دیا اور اس کو انسانی شرف سے محروم  
 کر دیا اور اُسے بدترین سلوک کا مستحق ٹھہرایا۔ چنانچہ پھر یہ مشہور  
 ہو گیا کہ عورت گندگی کی پوٹلی ہے اور اس کی ذات سراپا عذاب  
 ہے لہ

منو کی شریعت عورت کو یہ حکم دیتی ہے کہ ”وفا دار  
 بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کی خدمت اس طرح کرے گویا وہ اس  
 کا مہبود ہے۔ اس کی شان میں کوئی ایسی بات نہ کہے جو اس  
 کے لیے باعث تکلیف ہو، چاہے اس کا شوہر کتنا ہی خبیث

---

لہ عورت اسلام کی نظر میں، از الہی الخولی

اور بد معاش کیوں نہ ہو کیوں کہ عورت کی تخلیق مرن مرد کی خدمت  
 ہے اسی لیے جب شوہر اس کو پکارے تو نہایت احترام کے ساتھ  
 میرے آقا کہہ کر جواب دے اور اپنا معبود سمجھے اور ہمیشہ اس  
 کا جھوٹا کھائے۔

ہندوستان کی سب سے قدیم تہذیب آریہ تہذیب  
 سمجھی جاتی تھی۔ مذہبی طور پر اور سماجی طور پر آریہ تہذیب بہت  
 مشہور و معروف تھی۔ اس معاشرہ میں عورت کی حالت قابلِ رحم  
 تھی، اس کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اُسے جائیداد کا حق  
 بھی حاصل نہیں تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے شوہر  
 کو دیوتا سمجھ کر ہمیشہ اس کی پرستش کرے (شادی کے بعد شوہر



سے موت تک زندگی غلامی میں بسر ہوتی تھی۔ وہ صرف مرد کی  
 جنسی خواہش کے لیے پیدا کی گئی تھی حتیٰ کہ اس کی عزت و ناموس تو  
 ایشور کے اوتاروں اور کھجوانوں سے بھی محفوظ نہ تھی۔ اس کے  
 جنسی "لذت" حاصل کرنے کے لیے شادی بیاہ کی لازمی شرط بھی  
 ضروری نہ تھی۔ اس کے جنسی استیصال کے لیے نشکنتی کی شراب  
 پلائی جاتی اس کے لیے نئے نئے فلسفے اور نئی نئی تراکیب ایجاد  
 کی جا رہی تھیں۔ اس سب کے باوجود وہ قابلِ اعتماد نہ تھی،  
 نہ اس سے راز کی بات کہی جاسکتی تھی نہ اس سے مشورہ کیا  
 جاسکتا تھا اور نہ اس کا کوئی حق تسلیم کیا جاسکتا۔ ہر اعتبار سے  
 خوف، غلامی، احساسِ کمتری اور بے بسی اس کا مقدر بن چکی تھی۔

---

لے مسلم پرسنل لا پر نظر کرم کا پس منظر بحوالہ مسلم پرسنل لا پر اعتراضات کی حقیقت

از عمر حیات غوری

ہندوستان میں سستی کا رواج خود اس بات کی گواہی  
 دیتا ہے کہ جہاں عورت کا کوئی مستقل وجود نہیں سمجھا جاتا تھا  
 لیکن جب بد میں سستی کی رسم تو ختم ہو گئی تھی مگر عورت کی  
 مصیبت کم نہ ہوئی تھی۔ شوہر کے مرنے سے عورت گویا جیتے  
 جی مر جاتی تھی وہ کبھی دوسری شادی نہ کر سکتی تھی۔ اس کی  
 قسمت میں طعن و ذلت، تحقیر کے سوا کچھ نہ تھا وہ اپنے شوہر  
 کے گھر والوں کی خدمت کرے اور لونڈی بن کر زندگی گزارے۔  
 صرف یہی نہیں بلکہ ان کے یہاں بیوہ کو بہت بد نصیب تصور  
 کیا جاتا تھا۔ عورتیں شوہر کے مرنے کے بعد اسی مصیبت میں  
 گرفتار ہو جاتی تھیں گویا شوہر کے مارنے کی مجرم ہوں، بیوہ  
 زمین پر سوتی سستی۔ دن بھر میں بہت کم اور بد مزہ کھانا کھاتی

سکتیں نہ زرق برق لباس پہن سکتی تھیں اور نہ زیورات کا استعمال  
 کر سکتی تھیں۔ بال بھی کٹواوے جاتے تھے ان کو سنوارنے کا  
 اہتمام نہ کر سکے۔ ان میں نوجوان بیوہ بھی اپنے ارمانوں پر پانی  
 پھیر کر ایسی سخت زندگی بسر کرنے پر مجبور تھیں۔  
 ہر شخص بیوہ کو منحوس سمجھتا تھا وہ صرف اپنے لڑکوں  
 کے یہاں جاسکتی تھی۔ حتیٰ کہ تہواروں میں بھی وہ کسی کے  
 یہاں نہیں جاسکتی تھی۔ لوگ اس کے سائے سے بچتے تھے  
 اس کی موجودگی کو بدبختی قرار دیا جاتا تھا اور نہ ہی اپنے  
 والدین کے گھر جاسکتی تھی۔ اس کی موت تک اس کی زندگی  
 بڑے آلام و مصائب میں گذرتی تھی۔

بیشتر علماء کے قول کے مطابق ایک عورت قانون کی نگاہوں  
 میں ہمیشہ نابالغ رہتی ہے۔ ایک ناکتخدا لڑکی کی حیثیت سے وہ  
 اپنے والدین کے زیر تربیت ہوتی ہے۔ جب جوان ہوتی ہے  
 تو اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہے اور جب بیوہ ہوتی ہے  
 تو اپنے لڑکوں کی محتاج ہوتی ہے۔ عورت کی املاک خواہ وہ  
 کسی بھی طبقہ کی ہو ایک شہور کے مساوی ہے۔

## پانچواں باب بدھ دھرم کا تعارف

اس مذہب کی ابتدا چھ سو برس قبل مسیح ہے۔ بدھ مت

کے بانی مہاتما گوتم بدھ ہیں۔ بدھ مذہب ہندو دھرم کی ایک شاخ ہے لیکن

ہندو دھرم میں سماجی طور پر چھوٹ چھات انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور عوام براہمنوں

کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے، ان کی حالت جانوروں سے بدتر تھی، اسی ہامی میں

جب گوتم بدھ نے اس فرق کو مٹایا تو عوام کی نظروں میں گوتم محترم ہوتے گئے۔ جب

بادشاہ اشوک نے بدھ دھرم قبول کیا تو گوتم کی شہرت میں چار چاند لگ گئے اور اس

مذہب کو بہت شہرت حاصل ہوئی، دنیا کے بڑے مذاہب میں اس کا شمار ہونے لگا، انکا

جاپان، ایشیا اور دیگر ممالک میں زور شور سے اس کا چرچا ہوا ہے

بدھ کی اہم تعلیمات سر فہرست یہ تھتی کہ کسی انسان  
 سے کسی جانور کا نقصان نہ ہو اور نہ کوئی انسان دوسرے  
 انسان پر ظلم کر سکتا ہے۔ (اسی لیے بادشاہ اشوک نے بدھ  
 مذہب اختیار کرنے کے بعد جنگیں ختم کر دیں) اور نہ کسی  
 جانور کو مارنا جائز رہا۔ اسی وجہ سے بدھ مت میں گوشت خوری  
 بالکل ختم ہو گئی ہے۔  
 لیکن عورت کے ساتھ برابری کا درجہ صرت قول  
 تک رہا۔ وہ غلامی اور مظلومیت سے بری نہ ہو سکی۔

(ب)

## بدھ مذہب میں عورت کا مقام

بدھ مذہب مہاتما برہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس عظیم شخصیت جس نے اتنے بڑے مذہب کا آغاز کیا جو دنیا میں آج تک اپنا تسلط قائم کیے ہوئے ہے وہ بھی عورت

کے لیے اچھا نظریہ قائم نہ کر سکے۔ ہاتتا بدھ کی نظر میں کوئی عورت عزت و وقار کے لائق نہیں ہے جب کہ دوسری طرف ہاتتا بدھ براہمن اور شودر کی برابری کے لیے زندگی بھر لڑتے رہے۔ ایک موقع پر جب آئند نے بدھ سے پوچھا کہ ہمیں عورتوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے تو بدھ نے جواب دیا کہ ان کی طرف مت دیکھو۔ اور پھر آئند نے دوبارہ سوال کیا کہ اگر ہم دیکھ لیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے تو بدھ کا جواب تھا کہ ان سے دور اور چوکس رہیے۔ عورت کو وہ ناپاک سمجھتے تھے۔ اسی لیے عورت کی قربت سے دور رہنے کی تلقین کرتے۔ ہاتتا بدھ کہتے ہیں کہ عورت اور مرد کا رشتہ مومن و مستی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ حدنویز



ہے کہ کسی مرد کے لیے اس کی پارسائی عورت کو محض دیکھنے سے ختم ہو جاتی ہے۔ مذہب بدھ کے نقطہ نظر سے عورت بچپن سے لے کر اور بڑھا پے تک بیٹی، بہن اور ماں کا درجہ پاسکتی ہے۔ اگر اس رشتہ کے علاوہ عورت کو خواہش کی نظر سے دیکھا گیا تو اس شخص کی آنکھیں گرم تھکڑوں سے سچھوڑ دینی چاہئیں۔ تاہم بدھ عورت کے معاملہ میں اس سے زیادہ اور کیا تنگ نظری پیش کر سکتے ہیں کہ ایک عورت کی پیدائش کسی برہمن کے گھر میں ایک شودر کی پیدائش ہے۔ یعنی ہر عورت کے ساتھ چاہے وہ برہمن ہی کیوں نہ ہو شودر ہی کا سا بڑا سلوک کیا جاتا تھا۔

بدھ مذہب سنیا س اور کنوارے پن کی تعلیم دیتا  
 ہے، کیوں کہ مہاتما بدھ نے بھی اپنی بیوی پر خود رحم نہیں  
 کھایا اور ایک نیچے کی ماں کو لاوارث چھوڑ کر سنیا س  
 لے لیا۔ باوجود ان تمام تعلیمات اور پریشوں کے  
 مذہب بدھ کے ماننے والے آج بھی اپنی زندگی  
 ان کی تعلیمات کو نظر انداز کر کے گزار رہے ہیں۔

## چھٹا باب جین دھرم کا تعارف

جین مذہب کے بانی مہاویر تھے یہ چھ سو قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ جین دھرم ہندو دھرم کی شاخ ہے۔ بدھ دھرم اور جین دھرم میں کچھ ہی عرصے کا فرق ہے۔ اکثر تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ دونوں ساتھ ساتھ آئے، لیکن جین دھرم ہندو دھرم سے بالکل الگ ہے۔ جن کی پوجا کرنے کو جین کہا گیا ہے۔ گوتم بدھ کی طرح مہاویر نے بھی عوام کو اس مہلک بیماری ذات پات، چھو اچھات، اونچ نیچ اور امیر غریب کے فرق سے نکالا۔ یہ سلسلہ عوام سے بالکل تو ختم نہیں ہوا لیکن مظلومیت کم ہو گئی۔ مہاویر نے جہاں براہمن اور شودر کو برابر سمجھا۔

وہاں عورت کو مرد کے مقابل لانے کی کوشش کی مگر  
 اس قانون کو ترقی نہ ہو سکی اور آج تک عورت کو  
 حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لہ

---

لہ ایضاً

(ب)

## جین مذہب اور عورت

جین مت کا عقیدہ ہے کہ دنیا کے سکھ اور اس کی لذتیں وقتی ہیں اور آخر میں یہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دکھ دہ ثابت ہوتے ہیں اس لیے کہ دنیاوی لذتوں سے کبھی دل نہیں بھرتا اور خواہشات کے پیدا ہونے کا سلسلہ نہ ختم ہونے والا ہوتا ہے اس لیے جین مت نے اپنی آٹھ بنیادی باتوں میں یہی کہا ہے کہ شراب مت پیو، گوشت مت کھاؤ، شہد بھی مت چکھو کسی جانور کو تکلیف مت دو، ہمیشہ سچ بولو اور اپنے نفس کے لیے کسی کو تکلیف مت پہنچاؤ، اس لیے جین مت میں تمام جانور حشی کہ چیونٹی، مکھی اور چھوٹے بڑے کیڑے مکوڑے بھی مارنا یا انجانے میں ان کی ہتیا ہو جانا پاپ ہے، اس لیے وہ سورج غروب ہونے سے پہلے کھانا کھا لیتے ہیں۔ مہاویر نے ذات پات، جھوٹ

اونچ اونچ، امیر غریب کے فرق کو کبھی نہیں مانا، عورت کو جو محض جینی ضرورت  
 سمجھا جاتا تھا اور ہر برائی کی جڑ سمجھا جاتا تھا ماہا دیر نے ذی  
 روح ہونے کی حیثیت سے اپنے قوانین میں عورت کے معاملہ  
 میں بھی لچک سے کام لیا ہے، اپنی مذہبی رسم کے مطابق سجادوں  
 کے مہینے میں جینی عورتیں ایک دن سے سات دن تک  
 برت رکھتی ہیں، پانی سے کلی تک نہیں کرتیں، سرمہ بھی نہیں  
 لگاتیں، حتیٰ کہ راہبہ بھی بن سکتی ہیں، باوجود اس کے عورت  
 کو مکش کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا وہ صرف مرد ہی  
 کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ بین مذہب عورت پر ظلم و ستم کو گوارا نہیں  
 مگر اس کو عزت کا مقام بھی نہیں بخشتا۔

## ساتواں باب زرتشت مذہب کا تعارف

زرتشت مذہب بہت قدیم ہے اس کا زمانہ  
تقریباً ۵۸۳ء یا ۶۶۰ء قبل مسیح مانا جاتا ہے، یعنی ساتویں  
اور چھٹی قبل مسیح کا عہد ہے اس مذہب کے بانی زردشت  
ایرانی تھے اور منوچہر کی نسل سے تھے اور فیثاغورث  
حکیم کے شاگرد تھے۔ یہ اپنے مذہب کے پیغمبر مانے جاتے  
ہیں۔ زر کے معنی دولت اور دشت معنی برا۔ اس لیے کہ

---

وہ دولت کو برا سمجھ کر فقیرانہ زندگی گزارتے تھے اسی لیے وہ زردشت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ زردشت نے اپنی ابتدائی زندگی خدمتِ خلق میں گزاری، پھر جنگل میں اور پہاڑی کے غار میں بیٹھ کر مراقبہ کرتے رہے۔ بیالیس سال کی عمر میں اسخوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی، لیکن جب بلخ کے بادشاہ گشتاسپ نے ان کا مذہب قبول کیا تو ان کے مذہب کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور اس کے بیٹے اسفندیار نے اس مذہب کو بہت ترقی دی۔ زردشتی مذہب کے پیروکار



آگ پانی ہی کی پرستش نہیں کرتے بلکہ فطرت کے تمام عناصر  
 کی عبادت کرتے ہیں۔ اس نظریہ سے کہ ایک خدا کو پوجتے  
 ہیں اس مذہب کی مشہور کتاب اوستھا بھی ہے جو کہ  
 پانچ حصوں پر مشتمل ہے (۱) یاسنا (۲) گاسٹھا  
 (۳) سپرو (۴) ویدار (۵) یاشت۔ پہلا عبادت  
 یا قربانی سے متعلق ہے اور دوسرا حمد و مناجات یعنی گاسٹھا  
 کے معنی نغمے کے ہی آتے ہیں۔ اوستھا کے دو ہی  
 حصے بہت مشہور ہیں۔ زردشتی مذہب بہت قدیم ترین  
 ہے اور حق کا طرفدار ہے اور حق کا حوصلہ بڑھاتا ہے اور  
 باطل کے مقابلے میں حق کو فتحیاب بننے میں مدد دیتا ہے،  
 یہ خانقاہی عبادت کے مقابلے میں دنیا داری کے سلسلے میں

نیک کام انجام دینے کی تلقین کرتا ہے اور نیک ہی اعمال  
 پسند کرتا ہے اور دنیا میں غریبوں کا معاون و مددگار  
 رہتا ہے۔ ان کا فلسفہ زندگی یہ ہے کہ جبر اور جینے دور  
 باوجود انسانی ہمدردی اور ہر طرح کی مدد  
 معاون کے اس قدیم مذہب اور اس کے بانی زردشت  
 نے عورت کے لیے کوئی حق کا فیصلہ صادر نہیں کیا، اس  
 کو ایسی ہی حقارت کی نظر سے دیکھا جس طرح قدیم نظریات  
 اس کے لیے منسوب ہو چکے تھے۔ اس کے تنخیلات بھی کچھ  
 اس طرح ملتے ہیں :

(ب)

## زرتشت مذہب اور عورت

زردشت نے بھی عورت کو بدروح اور انسان نما حیوان تصور کیا، ان

کے یہاں بھی عورت کے لیے وہی قبیح نظریات رہے جو اس کے لیے منسوب

ہو چکے تھے کہ وہ انسانی شکل میں مردوں کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور

تمام برائیاں جو اس دنیا میں ہوتی ہیں وہ اسی جنس کی بنا پر ہوتی ہیں،

لہذا یہ برائیوں کی جڑ ہے۔

زرتشتیوں میں یہودیوں کی طرح کثرت ازدواج کا رواج

نہیں ہے، عورت اپنی مرضی سے طلاق نہیں لے سکتی جب تک کہ شوہر

نہ چاہے۔ مذہب زرتشت میں بیوہ کی شادی کا رواج

ہے لیکن بیوہ کو خوشی کی تقریبات خصوصی طور پر تقریب

شادی میں شرکت کی اجازت نہیں ہے۔

زردشتیوں میں شادی کے وقت عورت  
کو اپنے شوہر کے پاؤں دھونے پڑتے ہیں حتیٰ  
کہ آج بھی اسی رسم درواج کے مطابق اپنے شوہر  
کے جوتے کی نوک ضرور دھوتی ہے۔

عام حالات میں زردشتی عورت جب حیض  
کے ایام میں مبتلا ہوتی ہے تو مذہبی رسوم تو انجاء  
دے ہی نہیں سکتی اس کے ساتھ زردشتی مذہبی  
ہدایات کے مطابق جب پاکیزگی اور صفائی کے سلسلے  
میں گھر کے دوسرے لوگ اس عورت کو آسیب یا

بد روح سمجھتے ہیں۔ اگر ایسی عورت کسی رسم  
 میں شرکت کرے تو سب ناپاک ہو جاتا ہے اور اسے پاک ہونے  
 کے لیے کسی مذہبی رسوم انجام دینا پڑتی ہیں۔ اسی لیے  
 اس کو ایک الگ کمرے میں بنا بستر کے لوہے  
 کے پلنگ کو اس کا ٹھکانا بنا دیا جاتا ہے اور  
 اس کو آگ پانی اور دوسری عبادت کے لائق چیزوں  
 سے پندرہ قدم دور اور اپنے گھر کے لوگوں  
 سے تین قدم کے فاصلے پر رہنا پڑتا ہے  
 اور لوہے کے برتن میں ہی اسے کھانا دیا جاتا  
 ہے اور اس کے برتن میں پانی اوپر سے ڈالا  
 جاتا ہے لے

زردشتیوں میں جہنم کا بھی رواج ہے۔ اس  
 پر بھی اگر رٹ کی تعلیم یافتہ ہو تو رٹ کے یہاں  
 اس کی قدر و منزلت کم ہوتی جاتی ہے یعنی ان کے  
 یہاں رٹ کی تعلیم یافتہ ہونا بھی اچھا نہیں سمجھا  
 جاتا تھا۔

دیگر مذاہب کی طرح زردشتی مذہبی قانون  
 کے تحت باپ کی ملکیت میں رٹ کی کا حصہ نہیں  
 ہوتا ہے۔

## آٹھواں باب یہودی مذہب کا تعارف

مذہب یہودیت کی ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

ہوتی ہے۔ یہودی مذہب ایک ہزار سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سے قبل وجود میں آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت

عظیم المرتبت پیغمبر ہوئے ہیں۔ توراۃ اور قرآن کریم میں

آپ کا تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ توراۃ کے متعدد

حصے آپ کے حالات سے پُر ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا

جس قدر تذکرہ ملتا ہے کسی اور نبی کا نہیں ہے۔ قرآن مجید کی

کم و بیش چالیس (۴۰) سورتوں میں آپ کا ذکر آیا ہے اور ایک

سو آٹھ (۱۰۸) بار آپ کا اسم مبارک آیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

ساتویں پشت میں تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حسب بیان توراۃ

یہ ہے ۱۷

حضرت موسیٰ ۴ بن عمران بن قہات بن لاوی بن یعقوب

بن اسحاق بن حضرت ابراہیم ۴۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا

اسکھوں نے ۱۳۷ سال کی عمر پائی ۱۷۔ قرآن کریم نے آپ کی پیدائش

کے سلسلے میں آپ کی والدہ کا ذکر کیا ہے لیکن والد کا ذکر

نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے غالباً آپ یتیم پیدا ہوئے۔

---

۱۷ ابنائے قرآن، جلد دوم، از محمد جمیل احمد

۱۷ خروج باب ۲۰



آپ کی والدہ ماجدہ کا نام یوکتلہ ستھا۔ آپ نہایت رفیع الثبت  
 خاتون تھیں اور نسلی اعتبار سے بنی لاوی کی ایک فرد  
 تھیں، آپ کی شانِ رفیع کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے  
 کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق آپ پر وحی الہی کا نزول ہوا  
 وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ (سورہ قصص ۷) ترجمہ۔ اور وحی  
 بھیجی ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کی طرف۔

دنیا میں یہ اختصاص بہت کم عورتوں کو حاصل ہوا  
 ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ہاجرہ رضیٰ حضرت اسماعیلؑ کی  
 والدہ اور حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے  
 نام بھی آتے ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے  
 بڑے بھائی تھے، آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال  
 بڑے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک بہن تھیں، جن  
 کا نام مریم تھا ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔  
 Charles Marston کی جدید تحقیقات اور توراۃ کے  
 مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر انسی سال  
 کی تھی لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت  
 ۲۵۲۰ ق م میں ہوئی۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سو  
 بیس (۱۲۰) سال کی عمر پائی۔

یہودی مذہب کی بنیاد اللہ کی وحدانیت اور اس کی

سرپرستی پر یقین رکھنا تھا

مسلمانوں کی طرح یہود بھی اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ ان کی کتاب توراۃ جو عہد نامہ قدیم *Old Testament* کے نام سے جانی جاتی ہے۔

یہود کی سماجی اور مذہبی کتاب توراۃ ہے جو اب اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔ شروع میں اس کے تراجم ہوئے پھر اس میں کبیر علماء کے اقوال شامل کیے گئے۔ رفتہ رفتہ وہ کتاب من گھڑت اور مصنوعی اقوال پر مشتمل ہو گئی۔ یہودی وہ ہے جو یہودیت کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قوانین کے مطابق زندگی گزارے۔ یہودیت جذبات سے خالی

اور یقین پر ہے، ان کی عبادت گاہ یروشلم ہے جو اسرائیل کا دار الحکومت ہے۔ یہودی مذہب کے جہاں اعلیٰ اور عمدہ قانون انسان کی رہنمائی کے لیے پائے جاتے ہیں وہیں معاشرتی زندگی سے متعلق بہت سی سطحی مظلم پر مبنی قوانین کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(ب)

## یہودی مذہب میں

### عورت

یہودی مذہب کا شمار دنیا کے ان بڑے

مذہب میں ہوتا ہے جنہوں نے صرف چند

عقائد و نظریات ہی پیش نہیں کیے بلکہ

ان کی بنیاد پر زندگی کے عملی مسائل سے

بھی تفصیلی بحث کی ہے اس لیے اس یہودی

مذہب سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ عورت کے بارے  
 میں حقیقت پسندانہ خیالات کا اظہار کریں گے، لیکن یہود جو  
 اپنی پوری تاریخ میں اخلاقی اسقاط کے ساتھ حرص و  
 بخل کے لیے ہمیشہ سے مشہور چلے آ رہے ہیں ظاہر ہے کہ  
 وہ عورت کے لیے انصاف کرنے میں ایسے فراخ حوصلہ  
 کیسے ہو سکتے تھے۔ لہذا عورت کے متعلق ان کے نظریات  
 و تصورات یہ تھے جس کو انھوں نے غلاطت کا مجسمہ بنا کر  
 پیش کیا ہے، ان کی نظر میں مرد نیکی کا مجسمہ ہے اور  
 عورت بدی کا پیکر ہے اس کی فطرت میں مکرو فریب داخل  
 ہے۔ نئے نظریہ میں نسل انسانی کے پہلے فرد حضرت آدم ؑ جنت میں  
 عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے اور وہ خدا کے

فرماں بردار تھے حضرتؑ نے سب سے پہلے انھیں خدا کی  
 نافرمانی پر اکسایا اور ان کو ایک ایسا پھل کھلایا جس کے  
 کھانے سے ان کو خدا نے روکا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا  
 کہ وہ خدا کی رحمتوں سے محروم کر دیئے گئے اور ان  
 کو جنت کی ابدی راحتوں سے دست بردار ہونا پڑا  
 عہد نامہ قدیم میں ہے کہ جب خدائے تعالیٰ  
 نے حضرت آدم ؑ سے دریافت کیا کیا تو نے اس  
 درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھ کو  
 حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا تو آدم ؑ نے جواب دیا  
 کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے  
 مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا۔

ننہش آدم اور خمار گندم کا سارا خمیازہ  
 یہودیوں کی تاریخ میں عورت ہی کو سجھاتا پڑا وہ  
 عورت کو گناہ اور غلطیوں کا سرچشمہ قرار دیتے تھے  
 ان کے خیال میں حوا ہی شیطان کا آلہ کار اور ازل  
 کی گتہ گار تھیں جن کی وجہ سے آدم کو جنت ابدی  
 چھوڑ کر زمین پر آنا پڑا۔

حوا نے آدم کو گمراہ کر کے جس جرم کا ارتکاب  
 کیا تھا خدا کی طرف سے اس جرم کی یہ سزا ملی کہ وہ  
 تخلیق کی اذیتوں کو برداشت کرنے کا بار اس پر  
 ڈالا گیا۔ اور ہمیشہ کے لیے اس پر مرد کا اقتدار اور غلبہ  
 قائم کر دیا گیا اب قیامت تک مرد عورت پر



حکومت کرتا رہے گا۔

اس فلسفے کے تحت یہودی شریعت میں مرد کا  
 اقتدار تعریف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اگر کوئی عورت  
 خداوند کی منت مانے اور اپنی نوجوانی کے دنوں میں اپنے  
 باپ کے گھر ہوتے ہوئے اپنے اوپر کوئی فرض  
 کھڑا کرے اور اس کا باپ جس دن یہ سنے اور اسی دن  
 منع کرے تو عورت کی کوئی منت یا کوئی فرض جس  
 کو اس نے مانا تھا ٹوٹ جائے گا اور خداوند اسے  
 مذکور رکھے گا کیوں کہ باپ نے اسے اجازت نہیں  
 دی تھی اور اگر عورت شادی شدہ ہے اور اس کا

شوہر سن لے اور پھر عورت سے کچھ نہ کہے تو وہ منتیں  
 قائم رہیں گی اور اگر شوہر سن کر منع کرے تو وہ منتیں  
 پوری کرنا اس کے فرائض میں شامل نہیں ہوگا اور خداوند  
 اس کو معذور رکھے گا۔

یہودی قانون کی رو سے مرد وراثت کی موجودگی  
 میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے عورت  
 کو دوسری شادی کا بھی حق نہیں تھا، حتیٰ کہ باپ اسے  
 فروخت بھی کر سکتا تھا اس لیے یہودیت میں لڑکیوں  
 کا درجہ لڑکوں کے مقابلے میں بہت کمتر تھا بلکہ نوکر  
 چاکر سے بھی بدتر تھا اور وہ اپنے باپ کے مال و  
 دولت کی حق دار نہیں ہو سکتی تھی اور نہ میراث پاسکتی



یہودیت میں عورت کا تصور اتنا متخفیر آمیز  
 اور بھیانک ہے ان کے خیال میں عورت شیطان کی سواری  
 اور وہ بچپو کا ڈنک ہے جو ہر وقت ڈس سکتا ہے  
 یعنی یہی عورت کی فطرت ہے جو مرد نیک سرشت کو برباد  
 کرتی ہے۔ عورتوں کے بارے میں یہودیوں کے یہ افکار و  
 خیالات ان کے عقیدے کا ایک جز بن چکے تھے اور وہ اپنی  
 مجالس میں اس طرح کے سوالات کرتے کہ کیا عورت بھی  
 جنت میں داخل ہو سکتی ہے کیا وہ خدا کی عبادت کر سکتی  
 ہے، کیا اس میں انسان کی ابدی روح پائی جاتی ہے  
 اور یہی سوالات بد میں ایک مستحکم عقیدہ کی شکل اختیار  
 کر گئے۔ جس کے نتیجے میں ان کا یہ تسخیل ہو گیا کہ وہ انسان

نہیں بلکہ مردوں کی حکمت کے لیے ایک انسان نما حیوان  
 ہے۔ اس لیے اسے ہنسنے بولنے سے بھی روک دینا  
 چاہیے کیوں کہ وہ شیطان کی ترجمان ہے۔ اسی خیال  
 کے پیش نظر فرانس میں ۱۷۹۷ء میں ایک مجلس میں  
 تمام علماء متبعین نے متفقہ فیصلہ دیا کہ وہ انسان تو کہی  
 جاسکتی ہے لیکن وہ ہم مردوں کی خدمت کے لیے  
 پیدا کی گئی ہے۔

نوریت میں کہا گیا ہے کہ عورتوں کو گرجوں  
 میں خاموش رہنا چاہیے اس لیے کہ انھیں اس کی اجازت نہیں

---

۱۔ مسلم پرسن لا اور اسلام کا عالمی نظام، از شمس تبریز ص ۲۰۶

مسٹر روڈ ویل Mr Rod well کہتے ہیں کہ روز

صبح کی عبادت میں یہودی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ

مالکِ کل تمام تعریف تیرے لیے ہے جس نے مجھے کم

سے کم عورت نہیں بنایا۔

یہودیوں میں مذہبی طور پر عورتوں کا کوئی

سیاسی اور مذہبی مقام نہیں ہے گھر میں باندی کی

حیثیت کے سوا اسے کوئی اختیار نہیں، منطو میت

کی بیڑیاں اس کے پیروں میں اتنی سجاری پڑی ہیں کہ

وہ مصیبت کے وقت اپنے بارے میں کچھ نہیں سوچ

سکتی حتیٰ کہ اس کے شوہر پر اگر کوئی حملہ کرے تب

سبھی اپنے شوہر کو نہیں بچا سکتی۔ اگر وہ ایسا کرتی ہے

تو وہ اپنے ہاتھ کٹوانے کی مستحق ہے کیوں کہ وہ عورت ہے اور اس کو حق کا فیصلہ کرنے کا بھی اختیار نہیں۔

یہودیوں کے بارے میں ایک مستند کتاب جیوشی انسائیکلو پیڈیا میں عورت کو حضرت حوا پرگناہ کا الزام دے کر جو آدمی کو بشکل آدم جنت سے باہر نکالنے کا سبب بنی۔ بیان ہے کہ معصیت اول چوں کہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی اس لیے اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم و مالک ہوتا اور عورت اس کی محکومہ۔

طلاق کے بارے میں جو ناشائستگی یہودیت





## نواب باب عیسائی مذہب کا تعارف

مذہب عیسائیت کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوتی ہے۔ عیسائی مذہب اسلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے کا مذہب ہے۔ قرآن کریم میں آپ کا تذکرہ تقریباً بارہ سورتوں میں ہوا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین کے شمالی صوبے یروشلم میں پیدا ہوئے۔ سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے مانا جاتا ہے۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوئے انیس سو اسی سال ۱۹۸۹ء ہو چکے ہیں۔ ۲۵ دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یوم ولادت کرسمس ڈے دنیا کے ہر حصے میں بڑے زور شور سے

منایا جاتا ہے۔

دنیا کے مختلف مذاہب کے مقابلے میں عیسائیت سب سے بڑا مذہب ہے اور جغرافیائی اعتبار سے بھی دنیا کے ہر حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ انجیل (بائبل) عیسائیت کی مذہبی کتاب ہے جو کہ بہت مشہور ہے۔ ان مذہبی کتابوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے اقوال مستند حیثیت رکھتے ہیں جس کو عیسائی خوش عقیدگی و احترام سے پڑھتے ہیں۔ موجودہ اناجیل اربہ یعنی انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا آپ ہی کے حالات پر مشتمل ہیں گوکہ یہ چاروں اناجیل آپ کے بہت بد لکھی گئیں اور ان کے مصنفین کو آپ کی صحبت تو کیا آپ کی زیارت بھی نصیب نہ ہو سکی

ان کے علاوہ عہد نامہ جدید *New Testament* کی بقیہ تین کتابوں میں بھی جگہ جگہ آپ کا تذکرہ اور آپ کے حالات کے متعلق اشارے موجود ہیں۔ لیکن یہ تمام بیانات آپ کے بعد قائم و رائج ہونے والے عقائد و روایات کے دھندلکوں میں اس طرح مشہور ہیں کہ ان سے آپ کی شخصیت، آپ کی تعلیمات اور آپ کے حالات کے متعلق صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ البتہ قرآن کریم نے نازل ہو کر آپ کے صحیح حالات سے دنیا کو مطلع کیا۔ قرآن کریم میں آپ کا تذکرہ تقریباً بارہ سورتوں میں آیا ہے۔

موجودہ اناجیل مسیحی روایات اور آپ کے حالات سے معمور ہیں۔ لیکن یہ تمام واقعات کی حیثیت بعد میں رائج ہونے

والی روایات اور مثنی سنائی باتوں پر منحصر ہے۔ پھر ان تمام  
بیانات میں اتنی سحریت ہوئی کہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ پہلے  
مولف نے کیا سحریر کیا تھا اور اس بیان کی کیا صورت ہوگی۔  
یہی وجہ ہے کہ اب خود مسیحی دنیا کے بالغ نظر نقاد اور متبحر  
عالم موجودہ اناجیل کے مذکورہ واقعات کو کوئی تاریخی اہمیت  
نہیں دیتے۔ آپ کی شخصیت، آپ کی جائے پیدائش، آپ  
کی تاریخ ولادت، آپ کی آخری دعوت، آپ کا مذکورہ واقعہ  
صلیب غرض کہ ہر چیز غیر واضح و مشکوک اور تاریکی میں ہے  
بعض مسیحی علما مثلاً *Arthur Drews* ارتھر ڈریوس اور جے۔  
ایم رابرٹسن *J. M. Robertson* نے تو ایک عمر یہ بات ثابت کرنے  
کی کوشش میں گزاری کہ جس شخصیت کو حضرت عیسیٰ کہا گیا ہے

تاریخ میں اس کا وجود ہی نہیں ہوا اور یہ سب ایک موضوع  
افسانہ ہے۔ جو علماء اس حد تک نہیں گئے اسفوں نے بھی انجیل  
کے مذکورہ واقعات اور تاریخوں پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور  
ان کو غلط اور غیر مستند اور ناقابل وثوق بتایا ہے۔ اس سلسلے  
میں آسٹیڈ ( Olmsted ) گریس امیڈان ( Grace Amadan )  
جارج ( George ) اور موجودہ دور میں برمنگھم  
( Birmingham ) کے پشپ ( Bishop ) ڈاکٹر بارنس  
( Dr Barnes ) اور ہارورڈ یونیورسٹی ( Harvard  
university ) کے مذہبی تاریخ کے پروفیسر جارج فنٹ مور  
( George foot Moore ) کی تحریریں خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں۔

حضرت یسحؑ کے حالات کے متعلق مسیحی دنیا میں مستند  
 اور صحیح معلومات کی کمی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے  
 کہ مشہور متبحر مسیحی عالم سیلو وٹیر بیرن (Salomon Weizsäcker)  
 (Baron) کو لمبیا یونیورسٹی Columbia university میں تاریخ و ادب کا  
 یہودی پروفیسر ہے وہ اپنے عہد آفریں کتاب یہودی سماجی  
 و مذہبی تاریخ میں لکھتا ہے۔

*In fact we also not even know exactly*

*where and when Jesus was born.*

”در حقیقت ہم صحیح طور پر یہ نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ مسیحؑ

کب اور کہاں پیدا ہوئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت

یسحؑ سے متعلق مسیحی دنیا کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہے اور ان

میں مشہور اور شائع روایات کا کیا درجہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بنیادی تعلیمات خدا کی وحدانیت

تھی۔ آپ یہودیوں اور غیر یہودیوں کے ساتھ برابری کا سلوک

کرتے۔ دیگر پیغمبروں کی طرح حضرت عیسیٰؑ نے بھی فرمایا۔ خدا کے

حضور میں عاجزی، انکساری اور خاکساری اختیار کی جائے۔ خدا سے

محبت کرنے کا تقاضا ہے کہ اس کی مخلوق سے محبت کی جائے اور

تمام انسانوں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ باوجود ان بنیادی

تعلیمات کے عورت کے لیے جو قبیح نظریات عیسائیت نے پیش کیے

اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

---

↓ *The world's living Religions* by Archi J Bahm.

P.No 257 to 276.

## (ب) عیسائیت میں عورت

مذہب عیسائیت اور دیگر مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام سے قبل تمام مذاہب میں کسی نہ کسی شکل میں عورت کی تذلیل کی گئی ہے اس کے مرتبے کو گرایا گیا ہے اور اس کی عظمت کو سٹھیس پہنچائی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو حضرت مریمؑ سے پیدا ہوئے اور اس تصور کے ساتھ کہ حضرت مریم غیر شادی شدہ سٹھیں ان کے ماننے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا پکارتے ہیں، لیکن پھر بھی اس مذہب کے ماننے والوں نے عورت کو پیدائشی طور پر مجرم قرار دیا کیوں کہ وہ حضرت حوا ہی کو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت



سے نکلوانے کا ذمہ دار سٹھراتے ہیں۔ اس ذہنیت کے مطابق  
 کہ حضرت حوا سے یہ گناہ ہوا حالاں کہ قرآن نے اس کو غلط ثابت  
 کیا ہے، سچر بھی وہ فطری طور پر عورت کو قابلِ نفرت اور قابلِ  
 لعنت قرار دیتے ہیں۔ عیسائی یہودیوں کی اس رائے سے متفق  
 ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اماں حوا کی وجہ سے جنت سے  
 نکلے گئے۔ سچر عورت کے متعلق تنگ نظری کا اظہار کیا اور  
 من گھڑت تصورات پیش کیے کہ وہ سچل جس کو خدا نے منع کیا  
 تھا سب سے پہلے عورت نے کھایا سچر حضرت آدمؑ کو اپنی محبت  
 کے جال میں سچنا کر سچل کو کھانے کے لیے مجبور کیا۔ اسی لیے  
 معصوم حضرت آدمؑ حوا کے ساتھ جنت سے بطور سزا باہر پھینک  
 دئے گئے۔ لہذا ہر مرد جو عورت سے پیدا ہوا ہے وہ اسی پاپ

کی بنیاد پر پیدا ہوا ہے جسے تمام انسانیت مان نہیں کر سکتی ہے  
 عیسائیت اپنی رہبانیت پسندی میں ہندومت کے  
 قریب رہی۔ سینٹ پال اور کلیسا کے زیر اثر عورتوں کو معمولی مقام  
 دیا گیا اور قرون وسطیٰ میں شادی اور خاندانی تعلقات گناہ قرار  
 پائے۔ گھروں پر ان اور خاتنوں کو آباد ہونے لگیں۔ کنواری مریم  
 اور کنوارے مسیح کی تعلیم اتنی عام ہوئی کہ عورتیں راہبہ اور جوگی  
 بننا فخر سمجھتی تھیں اور عمریں پادری اور کلیساؤں کی خدمت میں  
 گزار دیتی تھیں۔ ان کے علاوہ عام گھریلو عورتوں کو شیطانی مخلوق  
 ازل کی گنہ گار اور حضرت آدم کو جنت سے نکالنے کا ذمہ دار

---

Woman under different social and religious laws

by S. M. H. Kidwai.

قرار دیا جاتا تھا۔ کلیسا کی ایک مجلس میں یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ  
عورتیں روحیں نہیں رکھتیں۔

روی پولس کے خط میں ہے کہ مرد عورت سے نہیں  
بلکہ عورت مرد سے ہے اس لیے اصل مقام مرد کو حاصل ہے  
عورت کی حیثیت ماتحت کی ہے۔ ایک دوسرے انجیلی صحیفے میں  
تحریر ہے کہ آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ  
میں پڑ گئی۔

اس لیے عیسائیوں میں روحانی کمال کے لیے عورتوں  
سے بے تعلقی کو ضروری سمجھا جاتا تھا۔ لیکن غیر فطری روش کا  
انجام یہ ہوا کہ عیسائیت غلط راستے پر پڑ گئی اور غیر انسانی طریقے

---

لے عورت اسلامی معاشرت میں، از جلال الدین عمری

سے اپنی شہوانیت کو پورا کرنے لگے۔ اسی سبب کلیسا عبادت کے بجائے عیاشیوں کا خفیہ مرکز بن گئے اور عام زندگی میں ایک ہیجان برپا ہو گیا اور آج بھی مغرب و مغربی تہذیب میں جتنی رغبت خفیہ جنسی تعلقات پر ہوتی ہے اتنی نکاح کی طرف نہیں ہوتی۔ عورت کے ساتھ عیاسیت کی روش بہت تلخ رہی جس کی عکاسی ٹرٹولین نے ان الفاظ سے کی ہے:

” عورتوں تم نہیں جانتیں کہ تم میں سے ہر ایک خواہے خدا کا فتویٰ جو تمہاری جنس پر تھا وہ اب بھی تم میں موجود ہے تو کچھ جرم بھی تم میں موجود ہو گا، تم تو شیطان کا دروازہ ہو تم ہی نے آسانی سے حوا کی تصویر یعنی مرد کو ضائع کیا۔“

سینٹ پال اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:

”عورت کو کمال چپ چاپ تا بعداری سیکھنا چاہیے

اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے

بلکہ خاموش رہے کہ پہلے آدم بنایا گیا اس کے بعد حوا، آدم نے

فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریادیں گناہ میں پڑ گئی“

دوسری جگہ لکھتا ہے کہ:

”پس میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح

اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے وہ یعنی مرد

خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے اور عورت مرد کا جلال

ہے اس لیے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے

اور مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے لیے پیدا ہوئی

ہے۔ ان کی مقدس شریعت میں یہ قول درج ہے کہ ”عورت کو

شرم سے گڑ جانے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے۔

عیسائی کبار علماء کا کہنا تھا کہ عورتوں پر لعنت بھیجنا

واجب ہے۔ کیوں کہ گمراہی کا اصل سبب یہی ہیں ان کا کہنا

تھا کہ شیطان عورت کی شکل بنا کر ظاہر ہوتا ہے، اس لیے

ان کی تعلیم کا موضوع یہ ہو گیا تھا کہ کیا عورت بھی خدا کی

عبادت کر سکتی ہے، یا عورت جنت میں داخل ہو سکتی ہے

اس میں روح ہوتی ہے یا کوئی فانی جنس ہے، حتیٰ کہ عیساؑ

کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں

اور بدی کی جڑ ہے، مصیبت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا

دروازہ ہے اور تمام انسانی مصائب کا آغاز اس سے ہوا ہے

اور اس کو اپنے حسن و جمال پر فخر کرنے کے بجائے شرمانا چاہیے

اس لیے کہ اس کا حسن بھی شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس کو ہمیشہ اپنے ازلی گناہوں کا کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیے کیوں کہ وہ دنیا والوں پر لعنت و مصیبت لائی ہے۔

ٹرتولین (Tertullian) جو مسیحیت کے ابتدائی عہد میں سے تھا عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے :

عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی، خدا کی تصویر — مرد کو نفارت کرنے والی ہے۔“

کرائی سوٹم (Chrysostom) جو مسیحیت کے اولیاء

کبار میں شمار کیا جاتا تھا عورت کے حق میں کہتا ہے :

”عورت ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ

ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گردِ لرہائی

اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔“

اس کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ عورت اور مرد کا منفی

تعلق سجائے خود ایک نجاست اور قابلِ احتراز چیز ہے خواہ

وہ نکاح کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو، اس سے مسیحیت میں

ازدواج سے پرہیز کرنے کو تقویٰ تقدس اور پاکیزگی

سمجھتے، اس لئے یا تو آدمی نکاح ہی نہ کرے اور اگر کر بھی لے

تو میاں بیوی ایک دوسرے سے زن و شوہر کا تعلق نہ رکھیں



اس یسے ان کی متعدد مذہبی مجالسوں میں یہ قوانین مقرر ہوئے  
 کہ چرچ کے عہدہ دار تنخلیہ میں اپنی بیویوں سے نہ ملیں، میاں  
 بیوی کی ملاقات ہمیشہ کھلی جگہ میں ہو وہاں کم از کم دو غیر  
 آدمی موجود ہوں۔ ازدواجی تعلق کے نجس ہونے کا تنخلیل ہر  
 طرح مسیحیوں کے دلوں میں ڈالا جاتا۔ مثلاً ایک طریقہ یہ  
 بھی ستھا کہ جس روز چرچ کا کوئی تہوار ہو اس سے  
 پہلے کی رات جس میاں بیوی کا باہمی تعلق رہا ہو وہ اس  
 تہوار میں شریک نہیں ہو سکتے تھے اس لیے کہ انھوں  
 نے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے آلودہ ہونے  
 کے بعد وہ کسی مقدس مذہبی عمل میں شریک ہونے کے  
 قابل نہیں رہے، اس سے مسیحیت میں اخلاقی و معاشرتی ہستی

انتہا کو پہنچ گئی تھی اور ماں بیٹے کے رشتے میں بھی  
 تلخی پیدا ہو گئی تھی، سو ساسی میں عورت کا درجہ ہر  
 حیثیت سے پست سمجھا جاتا تھا کہ ان کی ازواجی زندگی بھی  
 ان کے لیے مصیبت بن کر رہ گئی تھی باہمی تعلقات کی  
 خرابی سے گھر نمونہ جہنم بن جاتا تھا عورت بالکل بے  
 بس ہو کر مرد کے اختیار میں تھی گھر کی فضا مایوسگوار ہو جاتی تھی  
 سے مرد جب چاہتے عورت سے الگ ہو کر زندگی گزارتے  
 تھے لیکن عورت کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی خوشی سے  
 زندگی گزارے، نکاح ثانی کرنے کا دونوں کو حکم نہ  
 تھا سوائے اس کے کہ راہب اور راہبہ بن جائیں یا پھر  
 بدکاری میں مبتلا ہو جائیں، حتیٰ کہ دونوں میں سے کسی ایک

کے مرنے پر بھی نکاح ثانی کرنا میسر سمجھا جاتا تھا  
 ان کا نظریہ یہ تھا کہ یہ حیوانی خواہشات کی پیروی ہے  
 اور اس کو وہ زنا بھی قرار دیتے تھے اور خاص کر چرچ  
 کے عہدہ داروں کے لیے نکاح ثانی بڑا جرم سمجھا لے اس  
 طرح عیسائیت نے اس مفروضہ تانے بانے کے جال میں  
 عورت کو مجرم کی حیثیت سے گرفتار کر لیا تھا کہ اگر حوا  
 ابتدائی طور پر اس پاپ کو نہ کرتی اور آدم کو نہ بہکاتی تو  
 بے گناہ آدم اس پاپ سے بری رہتے تو اس کی اولاد  
 سے زمین پر کوئی گناہ نہ ہوتا اس لیے اس داغ کو  
 دھونے کے لیے حضرت عیسیٰؑ انسان کو اپنے خون کی

قربانی دینا پڑی، عیسائیت میں عظیم الشان ہستیاں مثلاً

*St Bonaventure, Sent Bernard and, St*

*Jerome, St Gregory, St Antony St Cyprian*

جو عیسائیت کے پیشوا مانے جاتے ہیں انہوں نے بھی عورت

کو اپنے اپنے انداز میں کوسا ہے لہ اس کی شرم گاہ کو

شیطان کا اعضاء بتایا ہے اور شیطان کے ہاتھوں کی

بنیاد بتایا ہے اور تشبیہ دی ہے کہ ایک بچھو ہمیشہ ڈنک

ہی مارتا ہے اور کچھ نہیں، انہیں عیسائی سنتوں کا ایک یہ

بھی خیال ہے کہ عورت شیطان کا دروازہ اور یہ وہ

*Woman under different Social and religious*

*laws. by Shaikh M. H Kidwai P.N. 19.*

نئے ہے جس میں جھوٹے زہریلے سانپ کا زہر چھپی ہوئی  
 غلیظ خواہشات اور مانند اس ہتھیار کے ہے جس سے  
 شیطان ہماری روحوں کو متاثر کرنے کے لیے استعمال  
 کرتا ہے۔

بلا شک و شبہ Tertullian بیان کرتا

ہے کہ عورت شیطان کا دروازہ، جنت کے پٹر کو  
 کھانے والی، روحانی دنیا کو ریگستان بنانے والی اور  
 خدا کی شان کو مٹانے والی نئے ہے۔

اسی طرز تو لین کے مطابق ہر عورت خدا

ہے جس کی خاطر خدا کے بیٹے کو جان دینا پڑی۔

دوسرے عیسائی سنت کرائی سو سٹم کہتا

ہے کہ عورت حقیقت میں ایک برائی ہے، خواہشات  
کا نمونہ ہے اور مزید برائیوں سے لپی پتی بنتے ہے۔

vicare نے عورت کی تذلیل کچھ اس طرح

کی ہے۔ کہ اول آدم پیدا ہوئے بعد میں حوا۔ اسی لیے  
آدمی عورت سے نہیں ہے بلکہ عورت آدمی سے ہے  
آدمی عورت کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ عورت آدمی  
کے لیے۔ آدمی اللہ کا پُرتو ہے۔

vicare کا ہی کہنا ہے کہ آدم نے دھوکہ

نہیں کھایا بلکہ عورت خود دھوکے میں آئی جو کہ خود مجرم  
و خطا وار ہے۔ ہر آدمی کا سردار عیسیٰؑ ہے لیکن عورت کا  
سردار آدمی ہے۔

اسی دن سے عیسیٰ یوں کے یہاں شادی کے  
 رسم و رواج میں یہ دستور ہے کہ جب شادی ہوتی ہے تو  
 وہ عہد کرتی ہے کہ وہ ہر حال میں شوہر کے حکم کی تعمیل  
 کرے گی۔ اسی شادی کی رسم میں آج بھی سب سے  
 پہلے دلہن دُلہے کے جوتے اتارتی ہے۔

روس کے کچھ حصوں میں تو اب بھی ایسا  
 دستور ہے کہ جب دلہا دلہن کو اس کے باپ کے گھر سے  
 لے جانے کے لیے تیار ہوتا ہے تو باپ ایک خاص طور  
 سے تیار کی گئی چابک (کوڑا) اپنی بیٹی کو مارتا ہے اور  
 کہتا ہے کہ یہ اس کا اپنی بیٹی کے ساتھ آخری عمل ہے  
 اور پھر وہ چابک اپنے داماد کے حوالے کر دیتا ہے

راس کے ساتھ اب تم ایسا ہی سلوک کرنا جو ایک عورت  
کے ساتھ کرنا چاہیے)۔

چھٹی صدی کے آخر میں جب عرب میں عورت  
کی حقیقت کو پہچانا گیا تو ایک ملاقات میں Maccom نام  
کے پادری نے اس عربی پیشوا سے یہ سوال کیا، کیا عورت  
حقیقت میں انسانی تخلیق ہے۔ لہذا عیسائی گروہ کے ایک  
بڑے مجھے نے یہ ثابت کیا کہ عورت برائیوں سے لبریز  
ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ انسانی تخلیق کا ایک نمونہ ہو، لیکن  
زیادہ تر عیسائی پیشوا عورت کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں  
کہ عورت ذات صرف ایک خاکی وجود رکھتی ہے اور روز  
محشر تمام عورتیں بے حس اور بغیر شہوت کے نمایاں ہوں گی



ایک جگہ حضرت عیسیٰ ؑ فرماتے ہیں کہ وہ  
 قانون کو پورا کرنے کے لیے آئے۔ اس لیے وہ تسلیم  
 کرتے ہیں کہ عورت کی خواہش اس کے شوہر سے وابستہ  
 ہوگی اور وہ اس پر حکومت کریں گے۔ حد تو یہ ہے کہ  
 حضرت عیسیٰ ؑ خود اپنی ماں کے لیے اچھا خیال نہیں رکھتے  
 تھے۔ (مغوذ باللہ) اور جس انداز میں اسکھوں نے مخاطب  
 کیا ہے وہ انداز آج بھی کسی مہذب فرقے کے لیے  
 ناقابلِ برداشت ہے

Saint Paul جو عیسائیت میں بہت بڑے

پیشوا کی حیثیت رکھتا ہے جس کی موجودہ عیسائیت آج  
 بھی احسان مند ہے، جس کی شخصیت مسیحی نقطہ نظر سے

بہت اہم ہے۔ کہتا ہے کہ آدمی عورت کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ عورت آدمی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ عورت کو چاہیے کہ ہر معاملے میں خاموش رہے، حد تو یہ ہے کہ گرجاؤں میں عورت کی موجودگی ناپاک شے کی موجودگی سمجھی جاتی تھی، یہودیت میں عورت کے مقام کو بے شک گرایا گیا لیکن اس کے مقابلے میں عیسائیت نے کہیں اس سے زیادہ زیادتی عورت کے ساتھ کی ہے۔ عیسائیت نے عورت پر کسی عام انسان کا نہیں بلکہ خدا کے بیٹے کے خون کا الزام لگایا ہے اور ایک (Charge Sheet) دفعہ عیسائیت نے عورت کے خلاف تحریر کردی جو اس طرح سے ہے۔

۱۔ عورت نے سب سے پہلے خدا کے حکم

خلاف ورزی کی۔

۲۔ عورت نے حضرت آدم ؑ کو مزید خلاف ورزی

کے لیے اکسایا۔

۳۔ عورت آدم کے نزول کا سبب بنی

۴۔ عورت کی برائیاں پوری انسانیت میں منتقل

ہوئیں جس سے ہر بچہ پاپی پیدا ہوا۔

۵۔ عورت اگر وہ عیسائی ہے تو وہ اپنے اس

بچہ کو آگ میں جلتا دیکھنے کی ذمہ دار ہے جس کا

ابھی تک عیسائیت میں نام نہ رکھا گیا۔

۶۔ چوں کہ خدا نے حضرت عیسیٰ ؑ کو عورت کے اس

جسرم کے خلاف قربانی دینے کے لیے بھیجا جس کے  
سبب انھیں سولی پر چڑھایا گیا اس لیے بھی عورت ذمہ  
دار ہے ۔

کثرت ازدواج کا رواج عیسائیت میں نظر انداز  
نہیں کیا گیا ۔ ابتدائی عیسائیت میں عیالی پادریوں کا  
خیال عورت سے دور رہنا اور اسے ناپاک سمجھنا تھا، اس  
لیے یہ لوگ کسی بھی آدمی کے ساتھ رہنا اچھا سمجھتے  
تھے نسبتاً عورت کے جس کے سبب ابتدائی عیسائیت  
میں کثرت ازدواج کو زیادہ ترجیح نہیں مل سکی ۔ وہ خود  
بھی شادی کی مذمت کرتے تھے ۔ اس زمانے میں تنہائی  
پسندی کی رسم عام تھی ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے

جس سے عیسیٰؑ کی ناپسندیدگی عورت کے بارے میں ظاہر  
 ہوتی ہو (اس کے برعکس کہا جاتا ہے کہ وہ خود کئی عورتوں  
 سے منسلک رہے ہیں جو اچھے کردار کی نہیں مانی جاتی  
 تھیں) لیکن عیسیٰؑ کے ماننے والوں نے حضرت عیسیٰؑ کی  
 غیر شادی شدہ زندگی کو زیادہ اپنایا اس لیے کثرت  
 ازدواج عیسائیت میں کثرت سے نہیں پائی گئی تو اس کی  
 وجہ صرف شادی سے نفرت اور تنہائی پسندی تھی ۔  
 Saint Paul کہتا ہے کہ پادری کو صرف ایک عورت  
 کا شوہر ہونا چاہیے ۔

George کہتا ہے ۔ سبھی مذہبی عیسائی پیشواؤں

کی شان پر روک لگادی جائے کہ شادی نہ کریں تاکہ

عورت جیسی غلیظ شے سے دور رہنے کا ان کو شرف  
 حاصل ہو سکے۔ لیکن اس کے برعکس یہ ہوا جس کا نتیجہ  
 یہ نکلا کہ جب اس نے گر جا کے ٹینک Tank کی صفائی  
 کی تو اس میں چھ ہزار بچوں کی کھوپڑیاں ملیں  
 Benedict نے ۱۹۲۰ء میں طے  
 کیا وہ تمام بچے جو گر جا گھروں کے پادریوں سے پیدا  
 ہوں گے وہ سب غلامی میں چھوڑ دیے جائیں گے اور انھیں  
 پادریوں کے بچے ہونے کا مقام حاصل نہیں ہوگا۔ ۱۹۲۵ء  
 میں لوتھر Luther کنوارے پن اور تنہا زندگی کا منہ  
 بھتا۔

Saint Augustine دسینٹ اوسٹین

ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کے رواج کو پسند کرتا تھا۔  
 کل ملاکر عیسائیت میں مختلف موقوفوں پر ایک ہی شادی کو  
 ترجیح دی گئی اور زیادہ تر بغیر شادی شدہ رہنے کو  
 مذہبی طور پر اچھا سمجھا جاتا تھا جس کے سبب بیک وقت  
 اسٹائمپ ڈیوٹی (۸۰۰۰۰) پوائنٹ لندن میں موجود تھیں جو اسی  
 قانون کے تحت غلط راستے پر چلنے کے لیے تیار تھیں۔ جہاں  
 تک عورت کے حق اور وقار کا تعلق ہے -----  
 عیسائی مذہب کے پیشوا نے ایسا کچھ عورت کو نہیں دیا جو قابل  
 تکریم ہو۔

بقول Alexander Russel Webb یہ ایک

حقیقت ہے کہ مغربی تہذیب میں کوئی روحانیت نہیں ہے

بلکہ خواہشات اور خود غرضی کا ایک ماحول پایا جاتا ہے  
 ڈاکٹر J. sombeck کہتا ہے کہ مشرقی تہذیب میں عورتوں  
 کے ساتھ نسبتاً کم بدسلوکی ہوتی ہے جب کہ مغربی تہذیب  
 میں زیادہ۔

Russel webb کہتا ہے کہ عیسائیت جو آج  
 بھی انیسویں صدی میں عورت کا جو مذاق اور سستا پن یورپ  
 کے بڑے بڑے شہروں میں دیکھنے کو ملتا ہے کیا کوئی کہہ  
 سکتا ہے کہ عیسائیت کا یہ رواج اچھا ہے، ہوٹلوں، کلبوں  
 اور گھروں میں عیش، نشہ وغیرہ جو برائیاں عورت کی  
 زندگی میں سمائی ہوئی ہیں اس کا ذمہ دار کون ہے۔ ایسے  
 شرناک واقعے، قصے اخباروں میں روز پڑھنے کو ملتے ہیں



جس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے لوگوں کا یہ مذہب کیا ہے۔ بے شک عیسائیت عورت کے لیے ایک نعمت بن سکتی تھی بشرطیکہ اس کے قوانین میں کچھ لچک سے کام لیا جاتا اگر شادی کو خدا کی طرف سے منسوب رشتہ سمجھا جاتا تو پھر اسے توڑنے کی ذمہ داری کس پر ہے، طلاق عیسائیت میں عام رواج ہے جس کے لیے کچھ سوچنا سمجھنا ضروری نہیں ہے۔ حد تو یہ ہے کہ دو میاں بیوی اگر اپنی شادی سے اکتا گئے ہیں تو آپس میں بدکلامی کر کے کبھی کبھی الگ ہو سکتے ہیں۔ عیسائیت میں طلاق کے مسئلے میں عدالت کافی منہگی ہے اور اس کی وقتیں ہر خاص و عام کی پہنچ سے باہر ہیں سب امیر لوگ

عدالت میں جانا پسند نہیں کرتے تاکہ داغدار دامن عوام  
 میں نہ آئیں اور آپسی صلح پر ایک دوسرے سے الگ  
 ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کڑورپتی لوگوں کے ملک امریکہ  
 میں امیرمیاں بیوی طلاق کی دوسری سے بچ کر خود  
 بخود ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر  
 Prof. Holland کہتا ہے کہ شادی کا مقصد عورت اور مرد  
 دونوں کا ایک دوسرے کی زندگی کا اثر ہوتا ہے لیکن  
 انگلینڈ کا عام قانون ایک بیوی کے ہاتھ مضبوط نہیں کرتا  
 ہے Mr Hepworth نہایت ہی پر اثر انداز ہیں کہتا  
 ہے کہ ہمارا قانون عورت کو پوری طرح سے شوہر کے  
 حوالے کرتا ہے، وہی عورت نہایت ہی خوبصورت امیر

اور جوان ہونے کے باوجود بھی برے برتاؤ کی مستحق  
ہے جس کے لیے قانون کورلرل میں سچپنس کر ایک عورت  
کو کوئی حمایت نہیں دیتا<sup>۱</sup>

لیکن اب عیسائیت میں عورتوں کے حقوق  
بہاں کئے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں نے  
عیسائیت اور مذہبی پیشواؤں کے خلاف رطائی لڑی اور  
اسی رطائی کے سبب یورپ میں ایک مدت تک ذہین اور  
تعلیم یافتہ طبقہ عیسائیت کے خلاف ہو گیا اور بد عقیدگی  
کا اظہار کرنے لگا۔ یہ فرقہ عیسائیت کے اس نظریہ پر معترض  
تھا جو عیسائیت نے عورتوں کو دیا۔ اپنے مذہب کے

---

<sup>۱</sup> Subjection of women by Mills.

تانون کے خلاف عورت جا بڑا کی بھی لاکھ ہوتی ہے  
 شادی سے قبل اور شادی کے بعد بھی، لیکن اس سب کے  
 لیے جو عورتوں کو یہ میراث حاصل ہوئی عیاسیت زردار  
 نہیں ہے اور نہ ہی یہ عورتیں عیاسیت کی شکر گزار  
 ہیں۔ عیاسیت کی نظر میں یہ ویسی ہی مایوس ہیں جیسی  
 روزِ اول سے تھیں۔ جیسی کہ عیاسیت کو ان غلیظ عورتوں  
 سے امید تھی۔ Schopenhauer، Byron اور Schopenhauer  
 یہ سب بھی عورتوں کے متعلق کوئی اچھی بات  
 نہ کہہ سکے اور نہ کوئی اچھی رائے ان کے لیے قائم  
 کر سکے۔

ان تینوں فلاسفہ کے نظریوں میں Schopenhauer

کا نظریہ بڑا عجیب و غریب ہے، یہ کہتا ہے کہ جس طرح  
 سے شیر اپنے تیز پنچوں سے اور ہاتھی اپنی لمبی سونڈ  
 سے اپنا تحفظ کرتا ہے، اسی طرح عورت بھی اپنے  
 مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال  
 کرتی ہے۔

آپ نے مختلف مذاہب میں عورتوں کے حقوق  
 کا تحقیقی جائزہ ملاحظہ فرمایا، مستشرقین کے اعتراضات  
 اسلام پر کس قدر کھوکھلے ثابت ہوئے ہیں۔ صرف اسلام  
 نے ہی تاریخ عالم میں پہلی بار عورت کو اس کا حق اور عزت  
 کا مقام دیا ہے۔

# کتابیات

نام کتاب	نام مصنف	مطبع
۱۔ الاثر والطلاق فی	محمد حبیل احمد	ب۔ ب۔ ت
جميع الادیان		
۲۔ اثنائے قرآن، جلد دوم،	محمد حبیل احمد	شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، کراچی، ایشاور، حیدرآباد
۳۔ اسوۂ صحابیات	عبدالسلام ندوی	مسلم پرنٹنگ پریس، اعظم گڑھ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۲ء
۴۔ اسلام میں عورت کا مقام	مولوی عبدالصمد	دینی بک ڈپو، اردو بازار، دہلی
۵۔ انسانیت کی تعمیر نو اور	عبدالحمید صدیقی	مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، پاکستان، احیہ لاہور، جون ۱۹۵۶ء
اسلام		
۶۔ اسلام میں حیثیت نسواں	محمد مظہر الدین صدیقی	مطبوعات ادارت ثقافت اسلامیہ لاہور، پاکستان ۱۹۵۳ء
۷۔ اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے	ابوالحسن علی ندوی سید	مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ
عروج و زوال کا اثر		
۸۔ اسلام کیسے شروع ہوا	عبدالواحد	مکتبہ جامعہ دہلی، نئی دہلی، لاہور ۱۹۲۰ء

## نام کتاب

## نام مصنف

## مطبع

- ۹۔ اسلام میں عورت جلال الدین عمری سید  
مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی  
کے حقوق (ب۔ ت)
- ۱۰۔ پردہ ابوالاعلیٰ مودودی سید  
مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی باریز فہم  
۱۹۸۲ء
- ۱۱۔ تاریخ ابن خلدون قبل عبدالرحمن ابن خلدون  
ان اسلام حلد اول  
نور محمد کاخانہ تجارت، کتب آرام باغ کراچی  
پاکستان
- ۱۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد اول از علامہ ابن کثیر  
۱۳۔ تفہیم القرآن جلد اول، دوم ابوالاعلیٰ مودودی  
۱۴۔ تمدن عرب از گستاوی بان  
۱۵۔ تحقیقاً اسلامی رسالہ
- ۱۶۔ تحقیق البیان فی تعلیم نسوان محمد مجتبیٰ سیونوکانوی  
۱۷۔ خواتین اسلام ظفر حسین  
۱۸۔ خواتین محمد اسلم جیرا جپوری
- برقی پریس دہلی ۱۳۵۶ھ  
مطبوعہ اہل سنت، برقی پریس مراد آباد  
سنگم کتاب گھر، اردو بازار، دہلی  
۲۷ اپریل ۱۹۱۴ء
- جنوری اور مارچ  
اپریل اور جون ۱۹۸۶ء پان والی کوٹھی دودھ پور  
جنوری اور مارچ

- ۱۹۔ دنیا کے بڑے مذاہب عماد الحسن آزاد فاروقی مکتبہ جامولیتھ نیوی دہلی، ۱۹۶۶ء
- ۲۰۔ ذہین انسان عابد علی عابد یونیورسٹی بک ایجینسی لاہور ۱۹۵۷ء
- ۲۱۔ صحابیات نیاز فتح پوری طبع سو ۱۹۶۳ء ایجوکیشنل پریس کراچی، پاکستان
- ۲۲۔ عورت اسلامی معاشرہ میں جلال الدین عمری سیّد ہارموم ۱۹۷۸ء مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
- ۲۳۔ عورت اسلام کی نظر میں ابھی الخول، ترجمہ جاوید حسن مجاہد جولائی ۱۹۶۸ء، سری نگر کشمیر
- ۲۴۔ عورت اور اسلام احمد علی سعید مولانا مفتی سعید کتب خانہ دیوبند (دیوبند) ۱۹۶۸ء
- ۲۵۔ عیسویت کا آخری سہارا محمد علی صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۹۲۰ء
- ۲۶۔ عورت تہذیب کے دور ہے پر محمد ایوب اصلاحی اسلامک پبلشرز رام پور اکتوبر ۱۹۷۹ء
- ۲۷۔ کتاب مقدس لاہور برٹش اینڈ فاروقی پبلس سوسائٹی لاہور برٹش اینڈ فاروقی پبلس سوسائٹی
- ۲۸۔ گلن کا مذاہب عالم نمبر اڈیٹر شمس کنول پنجاب، آگزییری ۱۹۸۸ء
- ۲۹۔ مسلم پرنسپل لائبریری پندرہ روزہ یکم و پندرہ جون ۱۹۷۲ء ص ۱۷-۲۷
- ترجمان دہلی



## نام کتاب

## نام مصنف

## مطبع

۳۰۔ مسلم پرنسپل لا اور اسلام  
کا عالمی نظام

شمس تبریز خاں

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، دارالعلوم  
مذوقہ العلماء، لکھنؤ، ۱۹۶۹ء

۳۱۔ مسلمان عورت کے حقوق  
اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

سلطان احمد اصلاحی

ب - ت

۳۲۔ مسلمان عورت

فرید وجدی آفندی، ترجمہ  
مولانا ابوالکلام آزاد

بارنہم مارچ ۱۹۵۶ء، انٹرنیشنل پریس لاہور  
سے چھپ کر کتب خانہ ایم ٹنار الشرفاں، ۲۶  
ریگور وٹو لاہور سے شائع ہوئی۔

۳۳۔ مسلم پرنسپل لا

عمر حیات خاں غوری

۱۹۸۵ء مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی  
۱۹۷۱ء الینھو کلر پرنٹرز نزد چلہ مال علی گڑھ

۳۴۔ مغربی تہذیب کا آغاز و انجام

محمد ذکی

۳۵۔ ہندوؤں کا شاندار ماضی

۱، ۲، ایل ہاشم، مترجم ایس

نئی دہلی، ۱۹۸۶ء

غلام سمنانی

۳۶۔ ہندو دھرم اور اسلام

سرفراز حسین قاری

مدن بک ایجنسی ٹیپا محل دہلی ۱۹۲۷ء

NAME OF BOOKS	NAME OF AUTHORS	NAME OF PUBLISHERS
37. Convention of Religious in India		Bimla Publishing House Delhi 1989
38. Encyclopaedia of Religion and Ethics	James Hastings	1959
39. Encyclopaedia of and Religious	E. Royston Pike	Vol. V-VIII-X. George Allen & Unwin Ruskin House London 1951
40. Man's Religions	John B Moss	The Macmillan company London 1969
41. Manorama	Year Book	Malayda Kattayam Kerala 1989
42. Manu Smriti	Manu	3-56-60
43. Roman Women	J.P.V.D. Balsdon	London 1962
44. Religion in the Old Testament	Robert H. Pfeiffer	Adam & Charles Black London 1961
45. The World's Living Religions	Archie J. Bahm	New Delhi 1964
46. The Hindu Women	Margaret Cornack	Asia Publishing House Bombay & Indian Edition 1961
47. The Theogony of Hindu	Count. M. Bjornst Jerna	D.K. Publishing Distribu- tion I Ansari Road Daryaganj New Delhi 1982
48. Women in Rigveda	Bhagwat Saran	1974
49. Woman under different Social & Religious Laws	M.H. Kidwai	New Delhi 1976
50. Women under Primitive Buddhism	I.B. Harner	Delhi 1930